

اسلام اور غیر اسلام کی تہمت

تالیف
شیخ الاسلام ابن تیمیہ

اسلام اور غیر اسلامی تہذیب

ترجمہ اقتصاء الصراط المستقیم

جس میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے اسلامی تہذیب کے اصول و مبادی
اسلامی و غیر اسلامی تہذیبوں کے حدود، غیر مسلم قوموں سے مشابہت اور
بدعات پر کتاب و سنت کی روشنی میں حکیمانہ اور ایمان افسردہ
انداز میں کلام کیا ہے۔

تلفیص و ترجمہ

مولوی شمس تبریز خاں

رفیق مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

(جدا حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

بار سوم



۱۳۹۹-۱۰-۱۰

کتابت _____ ظہیر احمد کاکوروی
طباعت _____ لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ (آفسٹ)
صفحات _____ ۱۹۶
قیمت _____ نو روپے

باہتمام

محمد غیاث الدین ندوی

طابع و ناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس لکھنؤ

(دارالعلوم ندوۃ العلماء)

فہرست

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۲	زہد خشک رہبانیت ہے	۷	پیش لفظ از مولانا ابوالکلام آزاد
۳۶	اسلام میں ترک دنیا نہیں	۱	کتاب سے پہلے از مترجم کتاب
۳۸	غلوئی ائمہ دین کی بدعت	۶	باب اول اسلام اور مسئلہ تشبیہ
۳۹	حدود و تعزیرات میں مشابہت	۷	بعثت محمدی سے پہلے دنیا کی حالت
۵۰	مزاروں پر یا عسری میں مشابہت	۸	یہودی مضموبیت اور نصاریٰ کی ضلالت
۵۱	مشابہت کے چند اور پہلو	۱۲	ضلالت کا سبب دین میں غلو
۵۲	اذان و عبادات میں مشابہت کے ممانعت	۱۷	اسلام اور قدیموں کا کال تصور
۵۷	مسئلہ تشبیہ میں ائمہ اربعہ کا اجماع	۲۲	کفر کی مخالفت اسلام کا مقصود
۶۱	عربوں سے مشابہت کا حکم ان کی افضلیت کے سبب	۲۶	اوقات نماز میں تشبیہ سے ممانعت
۶۵	باب دوم۔ ماقبل اسلام مذاہب کے ساتھ اسلام کا رویہ	۲۹	جاہلیت سے ممانعت
		۳۲	معضوبہ حقہ کی سرزمین بھی مضموبہ
	باب سوم غیر اسلامی تقریبات	۳۷	تشبیہ کی کچھ صورتیں
۷۳	عیدوں اور تیواروں میں شرکت	۴۰	تشبیہ کی چند اور احادیث

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۳۹	چند بدعت گاہوں کی نشان دہی	۸۲	احادیث میں اتنا اجماعی احکام
۱۴۸	قبروں پر دعائے کا حکم	۸۸	مسئلہ پر صحابہ کا اجماع
۱۵۱	قبر پرستی کے دلائل کا ابطال	۸۹	غیر اسلامی زبانوں کا مسئلہ
۱۵۶	دعا کے بارے میں کچھ تصریحات	۹۵	غیر اسلامی عیدوں پر تفصیلی نظر
۱۶۱	قبر پر دعا کے چند احکام	۱۰۱	بیع و اجارہ کی مانعت
۱۶۶	مقامات مقدسہ کا حکم	۱۰۳	ذبیحہ پر سادہ اور ہدیہ کا حکم
۱۶۹	سحر و طلسمات کی بدعتیں	۱۰۸	کفار کے روزے اور تیوہار
۱۷۱	غیر اللہ کی قسم کھانا	۱۱۰	اسلام اور بدعت کا کھلا تضاد
۱۷۶	دعا اور استعاذہ کی ایک فلسفیانہ بحث	۱۱۳	نماز تراویح بدعت نہیں
۱۷۹	مقامات مقدسہ پر مزید روشنی	۱۱۶	بدعتیں کیونکر ایجاد ہوتی ہیں؟
۱۸۳	سوال و دعا صرف خدا سے	۱۲۱	قیاس کے تین مقیاس
۱۸۴	بدعت و شائبہ پر مزید بین کا تقاضہ ہے	۱۲۵	عید کی بدعتیں
۱۸۷	خدا کے بارے میں انبیاء اور فلاسفہ کا طرز تصور	۱۳۶	عید مکانی کی بدعتیں

پیش لفظ

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفی، اما بعد! پیش نظر کتاب
 "اسلام اور غیر اسلامی تہذیب" کو جو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کی جلیل القدر تصنیف "اختصار الصلوات
 المستقیم، مخالفة أصحاب المجیمہ" کا آزاد ترجمہ اور تفسیر ہے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام
 کی طرف سے پیش کرنے میں ان سطحوں کے راقم کو وہ خوشی محسوس ہو رہی ہے جو ایک ایسے فریضہ کے ادا اور
 ایک قیمتی تحفہ کے پیش کرنے میں محسوس کی جاتی ہے، اس کتاب کی طباعت سے ایک دیرینہ آرزو پوری
 ہوئی، اس تجزیہ بر اعظم کے مسلمان عام طور پر اور ہندوستان کی مسلم اقلیت جو اپنی بہت سی خصوصیات
 کی بنا پر ایک ملت کملہ کی منتظر ہے خاص طور پر جن نازک حالات سے گزر رہی ہے اور اخذ و استفادہ
 تعلق و اختلاف، وسعت قلب و اداری میں جس احتیاد کی ضرورت تہذیب و معاشرت، عبادات و
 خصائص، مذہبی اور قوی تقریبات اور لباس و شعار کے مسائل میں مسلمانوں کا رویہ عین کرنے
 نیز ایک صاحب عقیدہ اور صاحب شریعت گروہ کی ثبات و استقامت اور نفرت و تعصب،
 خود شناسی و خود اعتمادی اور دوسروں کی تحقیر و تذلیل، اپنے ملی وجود کی بقا اور اپنی ملی خصوصیات
 کی حفاظت اور انہماک کے معاملہ میں جارحانہ طرز عمل کے درمیان باوریکہ لیکن واضح اور عین سرحد کی کیر
 کھینچنے کا جو نازک اور دشوار کام اس وقت پیش آ گیا ہے اس کے لئے عرصہ سے یہ ضرورت محسوس کی
 جا رہی تھی کہ اس بارے میں قرآن و حدیث کی تعلیمات، شریعت اسلامی کی ہدایات اور اقوام و ملل اور
 مذاہب ادیان کی تاریخ کے تجربات اس طرح پیش کئے جائیں کہ مسلمان ان کی روشنی میں ہندوستان

جیسے ملک میں جو رنگارنگ تہذیبوں اور فلسفوں کا مخزن ہے اور جہاں کا ذہن ان مسائل میں زیادہ ذکی اور محقق ہو ہے، اپنا مقام و موقف تعین کر سکیں۔

شیخ الاسلام کی یہ کتاب شروع سے راقم سطور کی منتخب و پسندیدہ کتابوں میں تھی لیکن ۱۹۹۵ء میں جب لارکانیا ڈسٹرکٹ مطبعتہ انصار السنۃ، قاہرہ سے شیخ محمد حامد انفق کے تحقیق و تحشیہ کے ساتھ شائع ہوا، اور فاضل ناشر و تحشی نے کامنٹریں میں خود وہ کتاب راقم کو عنایت فرمائی اس وقت دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ اسکو مناسب اختصار و انتخاب کے ساتھ اردو کے پیرائے میں پیش کیا جائے، اپنی بڑھی ہوئی مصروفیت و ذمہ داریوں کے پیش نظر یہ کام بعض عزیزوں کے پر دہ کیا لیکن وہ انجام نہ پاسکا، مقام مسترجہ کہ اب عزیز گرامی مولوی شمس تبریز خاں رفیق مجلس تحقیقات نشریات اسلام نے اس کی تکمیل کی انھوں نے اس فرض کو حسب معمول بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا، انھوں نے ترجمہ کو زیادہ عام فہم و سچپ و سگفتہ بنانے اور کتاب کو زیادہ مفید، عصر حاضر کے مطابق اور ہندوستان کے حالات سے تزیین کرنے کیلئے اجتہاد سے کام لیا، جا بجا تشریحی اور تنقیدی حجراتوں، دعوے کو مفصل دلائل کرنے کیلئے بعض نئے مصنفین کی کتابوں کے نقول و اقتباسات کا اضافہ کیا، جدید انگریزی مآخذ اور مستند انسائیکلو پیڈیا سے دعوے کے ثبوت میں شہادتیں و طویل اقتباسات پیش کئے، اپنے ادبی ذوق کی بنا پر عربی فارسی اور اردو کے اشعار حتیٰ کہ معاصر شعرا کے اشعار نقل کرنے میں بھی انھوں نے تکلف کام نہیں لیا، شیخ الاسلام کے دریائے بے کراں اور بیل ڈاں کو کوزہ میں بند کرنا آسان کام نہیں تھا، انکے نگلنا نہ طرز استدلال، وہی و فطری اسلوب نگارش اور ابشار کے انداز قلم کے جوش اور معلومات کے وفور اور گنت آفرینیوں کی کثرت کو موجودہ مذاق کے مطابق ربط و نظم میں لانا معمولی کام نہ تھا لیکن مترجم نے اس مرحلہ کو بڑی کامیابی سے طے کیا اور اس کتاب کو اردو میں اس طرح ڈھال دیا کہ اس نے اس موضوع پر ایک مرتبہ مکمل معنوں کی ایسی شکل اختیار کر لی کہ پڑھنے والے کو کوئی تشدید، فراز، اعادہ و تکرار اور طوالت و اطناب محسوس نہیں ہوگا، اس موضوع پر غالباً اردو میں پہلی مرتبہ ایسی کتاب آ رہی ہے جو اس سلسلہ پر نقول فیصل کا اور جہاں تک مواد و معلومات اور دلائل و وثائق کا تعلق ہے ایک مختصر دائرۃ المعارف کا درجہ رکھتی ہے۔

نہ

جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے اس پر مصنفِ عظام نے اپنی عادت کے مطابق کچھ کہنے اور لکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی، لیکن ان کے بعض بھی نہیں رہا جتنا کہ علم جدید و رافضی و اجتماعی نفسیات کے مطالعہ نے اب جو چند حقیقتیں عالم آخرا کر دی ہیں اور تہذیبِ معاشرہ شمار اور عادات و خصائص کے جن اثرات کا مکمل سلسلہ تجربہ خصوصیت کے ساتھ اس صدی کے آغاز سے موجود ہے، اس لحاظ سے حقیقت کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے کہ تہذیبوں اور معاشرتوں کا مسئلہ اتنا سرسری اور سطحی نہیں جتنا کچھ عرصہ قبل سمجھا جاتا رہا ہے اور یہی اس صدی کے آغاز میں مغربی تہذیب کے اختیار کرنے کی دعوت دینے والوں اور اس صدی کے وسط میں قوی کھیتی کے علم برداروں نے پیش کیا اب یہ بات مسلمہ حقیقت بن گئی ہے کہ عادات و معمولات، میلانات و رجحانات قلب و دلغیوں میں اپنی گہری جڑیں رکھتے ہیں، اور اقوام و ملل کی صورت گری اور شخصیت سازی میں ان کا بڑا گہرا اثر ہے، تہذیب، جذبات و رجحانات، پسندیدگی و ناپسندیدگی اور ذہنی رویہ کی بیرونی شکل ہوتی ہے، تہذیب کے مضمرات اور اس کے عناصر ترکیبی کو کسی خوردبین سے بھی نہیں دیکھا جاسکتا، اس کے خمیر میں شرک جہل، ظلم، تکبر، قیدیں کے رجحانات اور عقلیت کے عناصر و اجزاء کس تناسب سے شامل ہیں، اور وہ اس کا کیسا جزو لاینفک بن گئے ہیں، اس تہذیب کے کن فکری، نفسیاتی، اخلاقی، سیاسی و اقتصادی حالات میں پرورش پائی ہے، اور ارتقاء کے منازل طے کئے ہیں، اور انھوں نے اس پر اپنی کیسی گہری چھاپ اور امٹ نقش چھوڑا ہے، اس کی تحلیل و تجزیہ کا کام فلسفہٴ جماعات کے بڑے سے بڑے عالم و مؤرخ کیلئے بھی آسان نہیں ہے، اور اس کیلئے ابھی تک کوئی کیسا ویسی اصل قائم نہیں ہوا جہاں اسکے تجزیہ و تحقیق کا کام کامیابی کے ساتھ انجام دیا جاسکے، اخذ و قبول اور تقلید و اقتباس کا عمل جو تہذیبوں اور معاشرتوں کے میدان میں انجام پاتا ہے، ملت کی نفسیات پر کس قدر اثر انداز ہوتا ہے، اس کو اپنے اصل مقام سے کس قدر ہٹا دیتا ہے، برواٹم، طاعت و معصیت، اسلام و جاہلیت، حیا و بی حیائی، عدل و ظلم اور فساد و اسراف کے پیمانے اس سے کس طرح بدل جاتے ہیں، اور وہ ملت اپنی ظاہری شکل اور غول میں رہتے ہوئے اندر سے کس قدر تبدیل ہو جاتی ہے اس کا صحیح اندازہ کرنا بڑے سے بڑے یار یک ہیں رہنا اور صلے کیلئے بھی ممکن نہیں یہ خدائے علیم و خبیری کی ذات ہے جو دین و شریعت اور کتاب الہی کے نصوص و احکام کے ذریعہ اس ملت کی حفاظت کا انتظام کرتی ہے، جس کو دنیا میں اپنی جہاد کا نہ شخصیت کے ساتھ باقی رکھنا اور اس سے

دعوت و رہنمائی کا کام لینا ہوتا ہے، مشابہت و تقلید کے بجائے میں اسلام کی مرضی ہوئی اختیار اور اسلامی تعلیمات کا زیادہ مفصل معین ہونا اور ان پر شریعت اسلامی کا اصرار اس بات کا نتیجہ ہے کہ اسلام محض چند عقائد و رسوم کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ پورے مسلک زندگی کا حامل و داعی ہے، اور وہ "صبغة الله، ومن احسن من الله صبغة" کا نعرہ لگانا ہے، اور ہر اس تہذیب معاشرت کو جاہلیت کا نام دیتا ہے جس کا سرچشمہ حکم الہی اور ہدایت ربانی کے بجائے ہوا و ہوس، مصلحت و مفاد، لذت و عزت یا محض تجربہ قیاس ہو، اس نے پہلی مرتبہ اس حقیقت سے نقاب کشائی کی ہے کہ کوئی انسانی فرد مجرد عقائد پر زندگی نہیں گذار سکتا اور تہذیب و معاشرت کو عادات و اخلاق اور عقائد و عبادات پر اثر انداز ہونے سے روکا نہیں جاسکتا، ان دونوں کے درمیان دیوار کھڑی کرنے کی کوشش غیر فطری ہے، جو نسلات ثانیہ کے موقع پر مغربی تہذیب نے مذہب کو انسان کا پرائیویٹ معاملہ قرار دینے کی صورت میں کی، انسان کی زندگی متفرق اکائیوں کا مجموعہ نہیں جن کو جب چاہا ملا دیا، جب چاہا الگ کر دیا، بلکہ وہ خود ایک اکائی ہے، اور اس اکائی کو محمود دیتا، اسلام، "دین" اور "طاعت" کے کسی نفاذ سے اد کیا جاسکتا ہے، اور یہی تفسیر ہے، فرمان خداوندی یا ایہا الذین آمنوا ادخلوا فی الاسلام کافة ولا تتبعوا خطوات الشیطان انه لکم عدو مبین" کی۔

امید ہے کہ یہ کتاب اس اہم و نازک موقع پر جب ہندوستان کے مسلمان اپنی ملی شخصیت کی بقا اور اپنے ملی خصائص کی حفاظت کے فیصلہ کن سفر سے دوچار ہیں، اور غالباً اپنی پوری تاریخ کے جو اس ملک میں ان کے داخلہ کے وقت سے شروع ہوتی ہے، سب سے نازک مرحلہ میں داخل ہو رہے ہیں، ایک مفید خدمت انجام دے گی، اور ان اصحاب ضمیر خدا ترس و خود شناس مسلمان مفکرین اور رہنماؤں کو جو اس ملت کو موجودہ حالات میں صحیح مشورہ دینا چاہتے ہیں، صحیح روشنی عطا کرے گی، اللہ اعلم
من ہلک عن بینۃ یحییٰ من حق عن بینۃ۔

خدا کرے یہ توقعات پوری ہوں اور مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی یہ تازہ پیشکش اس اہم مقصد کو پورا کرے جو مجلس کے قیام کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ وما التوفیق

إلا من عند الله۔

ابوالحسن علی ندوی
دارہ شاہ علم الشریعہ بریلی

۲۲ شوال المکرم ۱۴۰۵ھ
۲۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء



کتاب سے پہلے

مسئلہ تشبیہ اسلامی تہذیب کا ایک بنیادی عنصر ہے، لا اِلهَ اِلاَّ اللہ پر ایمان رکھنے والی قوم جب تہذیبی مسائل پر پہنچتی ہے تو اسے حکمِ مِلّٰت ہے کہ وہ لا اِلهَ کے تقاضوں اور اس کے دور رس مطالبات کے پیش نظر ان تمام تہذیبوں سے پرہیز کرے جو اسلام سے ٹکراتی ہوں، اور لا اِلهَ کو سامنے رکھ کر ایجابی اور مثبت طور پر اس اسلامی تہذیب کو فروغ دے جسکی بنیاد کتاب و سنت پر ہے۔ جس حدیث میں غیر مسلموں کی مشابہت سے صراحتہً روکا گیا ہے اس پر تمام علماء اسلام متفق ہیں، اور بہت سے علماء کرام حرج شارح مشکاۃ، علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس سے تہذیبی اور اخلاقی ہر قسم کی مشابہت ممنوع کی گئی ہے، اور صاحب مرقاة ثلاثی فارسیؒ نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ جب ظاہری مشابہت سے روک دیا گیا تو اخلاقی مشابہت تو بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگئی۔

اس سلسلہ پر محدث دبیاطی کی ایک کتاب ہے، مگر وہ تقریباً نایاب ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ غالباً پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس مسئلہ پر بالاسقلال لکھا ہے، اور اس کو اسلام کے

اصل الاصول کے طور پر پیش کیا ہے، اور اس بحث میں بھی دوسرے مباحث کی طرح انکا انداز مجتہدانہ ہے۔۔۔۔۔ غیر اسلامی تقریبات اور دوسری بدعات کا تعلق بظاہر مسئلہ تشبیہ سے دور کا معلوم ہوتا ہے لیکن اصلاً ایسا نہیں، بدعت شاہیت ہی کا ایک دوسرا رخ ہے، شیخ الاسلامؒ کے دقیقہ رس ذہن اور گہری نگاہ نے ان دونوں کے تعلق کو دیکھ کر دونوں ہی پر مدلل بحث کی اور اس ضمن میں ان تمام... فتنوں کی نشاندہی کر دی جو اسلامی تہذیب کے لئے کسی درجہ میں خطرہ اور اس میں مداخلت بن سکتے ہیں شیخ الاسلامؒ کے عہد تک عربی طرز تصنیف کا خاصا ارتقا ہو چکا تھا، اور وہ اپنے عہد کے ایک صاحب طرز اسلامی مصنف سمجھے جاتے ہیں، تاہم حضرت شیخ کے ہاں جب نئے مضامین اور خیالات کی آمد ہوتی ہے تو کہیں کہیں سلسلہ گفتگو باقی نہیں رہتا، اور گل افشانی گفتار کا عالم سیل ہو جاتا ہے، مولانا انور شاہ شمیمؒ فرماتے تھے کہ ابن تیمیہؒ کے مباحث کا سیل جزا رکھ کر میں سم جاتا ہوں۔۔۔۔۔ ایسے موقع پر جدید طرز تحریر کے عادی ناظرین شاید کچھ بے بسی محسوس کریں، لیکن میں نے شیخ الاسلامؒ ہی کی ترتیب کو باقی رکھنے کی کوشش ضروری سمجھی، شیخ نے جس طرح عالم اسلام میں کتاب وسنت کی ابتلاء کے لئے ذہن پیدا کیا وہ خود اس کا نمونہ بھی تھے، اور ان کے اس طرز تحریر کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں بھی انھوں نے کتاب میں ہی کا طرز اختیار کیا جو مضامین کے خارجہ تسلسل کو اتنا ضروری نہیں سمجھتا جتنا اپنے مخاطب کی ضروریات و مسائل کو۔

جہاں تک فقہاء اہلراط المستقیم کی اہمیت کا موازنہ ہے، وہ علماء میں سلم رہی ہے شیخ الزہرہؒ بھی اسے اہم سمجھتے ہیں، مولانا علی میاں صاحب مدظلہ شیخ الاسلامؒ کی

مذہب جہاد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ زادہ ۷۲۸ھ

تصنیف فی خصوصیات کے بارے میں فرماتے ہیں ان کی دوسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کی کتابوں میں زندگی نظر آتی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کتابیں کسی علمی گوشہ یا الگ تھلک جزیرہ میں نہیں لکھی گئی ہیں، بلکہ عین زندگی کے میدان اور عوام کے بیچ میں لکھی گئی ہیں، ان کی کتابوں سے آسانی کے ساتھ ان کے زمانے کا تعین کیا جاسکتا ہے، اور اس سوسائٹی کے ذہن و اخلاق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس سے ان کا مصنف متعلق تھا (نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو اقتضاء الصراط المستقیم) دوسری جگہ لکھتے ہیں، ان کی متعدد تصنیفات ایسی ہیں جو ان کے مجتہدانہ فکر و نظر ذہن رسا اور قوت تنقید کی شاہد ہیں، ہر عہد کے داعیوں کو جدید و صالح علمی و فکری غذا مہیا کرتی ہیں، اور ہر زمانہ کے اہل علم کو ان میں نیا مواد نئے دلائل، اور نئی تحقیقات نظر آتی ہیں، مثال کے طور پر کتاب البصائر، الرد علی المنطقیین، اقتضاء الصراط المستقیم، نہ صرف اعلیٰ علمی تصنیفات اور اپنے موضوع پر کامیاب کتابیں ہیں، بلکہ اس طرح کی خیال آفریں و خیال افروز کتابیں ہیں، جو ذہن کو سوچنے پر آمادہ کرتی ہیں، اور ان کے سامنے نئے علمی میدان اور سوچنے اور غور کرنے کے لئے نئے مسائل اور مضامین لاتی ہیں، مزید لکھتے ہیں، اقتضاء الصراط المستقیم کا موضوع اگرچہ صرف یہ ہے کہ غیر مسلموں کے رسوم و شعائر نہ اختیار کئے جائیں اور ان کی مذہبی تقریبات اور تمواروں میں شرکت نہ کی جائے، مگر حسب معمول یہ کتاب بڑے نفیس مباحث و علوم پر مشتمل ہے، اور شیخ الاسلام کی بہترین تصنیفات میں شمار ہونے کے قابل ہے۔

پروفیسر محمد یوسف کوکن مدد اسی لکھتے ہیں کہ امام موصوف نے اس کتاب میں اس کتاب اور کفار و مشرکین کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے اور ان کے رسوم و بدعات میں

شرکت کرنے کی ممانعت پر کتاب و سنت اور اجماع سلف سے ایک بڑی تفصیلی بحث کی ہے، اس کتاب سے امام مودودی کے زمانے کے مسلمانوں کی طرزِ معاشرت پر بہت اچھی روشنی پڑتی ہے۔

حیاتِ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (اردو) سے ترجمہ مکمل ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ کئی سال پہلے مولوی عبدالرزاق یلمع آبادی مرحوم بھی اس کی تلخیص مصراطِ مستقیم کے نام سے شائع کر چکے تھے، مگر نہ حصہ ہوا کہ نایاب ہے اور شاید پاکستان ہی میں کہیں مل سکتی ہوگی اور ویسے بھی دو تلخیصوں کا ایک جیسا ہونا ضروری نہیں۔

اقتضائے انصراطِ مستقیم کے ترجمہ اور تلخیص کے بعد بعض مشکل نقات کی تحقیق کے سلسلہ میں مولانا عبدالغنی صاحب بیادینیؒ سے ملا تو موصوف سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس کتاب کا ایک نثر ترجمہ کر چکے تھے۔ مجھے پہلے معلوم ہوتا تو ان کے ترجمے کو شائع کر لیتا، مگر اب بعض الفاظ کے سلسلے میں مولانا مرحوم سے بر دلی دوسری بات یہ کہ اقتضائے انصراط میں کافی اختصار سے کام لیا گیا ہے لیکن اس میں کئی آیات و احادیث ہی چھوٹی ہیں، مصنف کی کوئی اہم عبارت چھوٹنے نہیں پائی ہے، اور پھر یہ کہ اس میں مسئلہ تشبہ کے علاوہ بدعت کا بھی بیان آگیا تھا، جو دراصل مشابہت ہی کی ایک شکل ہے اس لئے بھی اور کتاب کے مکمل ترجمہ کی حیثیت سے بھی ان مباحث کو بھی سمیٹ لیا گیا، اقتضائے انصراط میں قرآن میں بھی مترجم کی عبارتیں ہیں جو مودودین کے اندر ہیں۔

اس ترجمہ پر مخدوم مولانا ابوالحسن علی ربان صاحب ندوی مدظلہ کے گراں قدر مقدمہ کے لئے میں صمیم قلب سے ممنون ہوں اس مقدمہ کے لئے حضرت مولانا سے بڑھ کر سب سے امام ابن تیمیہؒ کے انفس کو مولانا موصوف کا کتاب کی اشاعت پہلے جولا میں انتقال کیا

۵

کوئی دوسرا حقدار نہ تھا، اس لئے کہ شیخ الاسلامؒ کے علوم و معارف اور ذوق و وجدان
سے انھیں جو شغف ہے، وہ عالم اسلام کے چند ہی افراد کے ہاں ملتا ہے۔
قدر گو ہر شاہ داند یا بداند جو ہری

شمس تبریز خاں

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۷ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

۲۹ نومبر ۱۹۰۷ء

باب اول

اسلام اور مسئلہ تشبیہ

امّا بعد! مجھے یاد آتا ہے کہ میں نے خود سے یا کسی کے جواب میں کفار کی عیدوں کی مشابہت سے منع کیا تھا اور قدیم تاریخ و شرعی دلائل کی روشنی میں اس سے بحث کی تھی، اور غیر مسلموں کی سیرت سے اجتناب میں شریعت کی مصلحت پر لکھا تھا، اگرچہ یہ شریعت کا ایک عظیم قاعدہ اور دستور تھا اور ایک اصل جامع کا حکم رکھتا تھا، لیکن میں نے اس سلسلے میں تفصیل پسند کی تھی جو مجھے اب یاد نہیں رہی۔

پھر بعد میں مجھے علم ہوا کہ بعض لوگوں نے اسے اپنے سوری و فی عادات و رسوم کے خلاف پا کر اس پر حریت کا اظہار کیا تھا اور اس سلسلے میں عمومی اور مطلق باتوں کا سہارا لیا، اس پر مجھے بعض احباب نے تقاضا کیا کہ میں اصل مسئلے پر کچھ لکھوں اس لئے کہ اس سے بڑے فائدے اور نفع کی توقع ہے، اس مشابہت نے اس حد تک وبائے عام کی شکل اختیار

کرتی ہے کہ لوگ دوبارہ جاہلیت کے گرفتار نظر آ رہے ہیں، چنانچہ میں نے اس مسئلہ پر لکھا تاہم اگر میں اس سلسلے کے تمام دلائل اور علماء کے اقوال کا احاطہ کرتا تو گفتگو اور طویل ہو جاتی۔ مجھے ان لوگوں کی حیرت سے پہلے یہ گمان نہیں تھا کہ جو فقہ پر نظر رکھتا اور شریعت کے اشارات و مقاصد کو سمجھتا ہے اور فقہاء کے استدلال اور ان کے بیانات کو بھی جانتا ہے اس مسئلہ میں شک کرے گا، مجھے یہ بھی شبہ نہیں تھا کہ (ایمان جس دل میں گھر کر چکا ہو اور حقیقت اسلام جس میں اتر چکی ہو اور جس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہو کہ اسلام کے سوا خدا کو کوئی دین مطلوب نہیں) جب اس نکتہ پر متنبہ کیا جائے گا تو اس سے اس کے قلب کی زندگی اور ایمان کی تازگی کا سامان نہ ہوگا لیکن دلوں کے زنگ اور طبیعتوں کے فساد کا براہو کہ وہ حق کی معرفت اور اس کی اتباع سے ہمیشہ روکتے ہیں۔

بہشت محمدی سے پہلے دنیا کی حالت

آنحضرتؐ کی بہشت کے وقت لوگ دو حصوں میں بٹے ہوئے تھے، یا تو اہل کتاب تھے (جو کسی کتاب کے نسخہ یا موضوع سے کو پکڑے ہوئے یا کسی فرسودہ مذہب کے پیرو تھے) یا پھر عرب و عجم کے امی اور ناخواندہ عوام تھے، جو اپنے طور پر ستاروں، بتوں، قبروں یا جھمبون کی پوجا کر رہے تھے، لوگ علم کے نام پر جمالت اور صلاح کے عنوان سے فساد کو اپناتے ہوئے تھے، اس وقت کے ذہین لوگ بھی مذہب اور بدعت کے اس آمیزے کو سینے سے لگائے ہوئے، اور اپنے علم و عمل کا محور بنا ہوئے تھے، یا کچھ لوگ فلسفہ، طبیعیات، ریاضیات اور اخلاقی مباحث میں اپنی جان کھپا رہے تھے، لیکن اس کے نتیجہ میں مفید اور ربانی علم سے دور ہی ہوتے چلے جا رہے تھے، اور مذاہب فلسفہ کے

اخلافات کی وجہ سے حق کا شاید ہی کوئی حصہ ان کے ہاتھ آتا تھا۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبوت محمدی کی برکت سے لوگوں کی ہدایت کی اور مینات و ہدایات کے ذریعہ علم نافع، عمل صالح، اخلاق فاضلہ اور صالح اقدار کا ایسا سامان ہوا کہ تمام عالم کی حکمتوں اور پسندیدہ نظریوں کو اس سے کوئی نسبت ہی نہ تھی پھر اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اسلام ہی صراطِ مستقیم ہے اور ہر نماز میں اس پر جے رہنے کی دعا کی تلقین فرمائی، اور یہ بھی بتایا کہ یہ راستہ مغضوب اور گمراہ قوموں کے راستے سے الگ ہے۔

یہود کی مغضوبیت اور نصاریٰ کی ضلالت

ان دونوں مسائل پر علمائے امت کا تقریباً اجماع ہے کہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کے مصداق یہود و نصاریٰ ہیں، حضرت عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بلا کسی امان کے (اس لئے کہ یہ دیکھ ہی تھے) حاضر ہوا۔ لوگوں نے میرا تعارف کرایا تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ یہ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیدے گا۔ ختم مجلس پر آپؐ مجھے اپنے ساتھ لے کر چلنے لگے کہ ایک خانوں اور اس کے بچے سامنے آکر اپنی حاجت پیش کی آپؐ نے ان کی حاجت روائی کی اور مجھے دولت خانہ پر لے گئے وہاں پہنچ کر آپؐ نے مجھ سے پوچھا کہ تمہیں اسلام سے کیا چیز روکتی ہے؟ کیا خدا کے سوا کوئی معبود ہے؟ میں نے کہا نہیں پھر آپؐ نے فرمایا کہ تم حسد اکی عظمت تسلیم کرنا نہیں چاہتے؟ میں نے کہا ایسا بھی نہیں پھر آپؐ نے فرمایا کہ یہود مغضوب اور نصاریٰ گمراہ ہیں، اس پر میں نے کہا کہ میں تو مسلم کامل ہوں،

وہ کہتے ہیں کہ یس کر دے اقدس گل ترکی طرح شگفتہ ہو گیا، (ترذی)
قرآن کی آیت "قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرِّ مِمَّنْ ذَلِكُمْ مَثُوبَةٌ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ
تَعْنُ احْتِلَافٌ وَعَصَبٌ عَلَيْهِ" (۶۰: ۵) اس میں یہودی سے خطاب ہے اور ضمیر انہی
کی طرف راجع ہے، اسی طرح اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِي تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا يَفْقَهُوْهُ (۱۲: ۵) کے بارے میں مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ منافقین
کے بارے میں ہے، جو یہود کی دوستی کا دم بھرتے تھے۔

تیسری آیت میں کہا گیا ہے "تَصَوَّبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلَّةُ اَيَسَمَا تَقْفُوْا اَلَا اُنَبِّئُ
مِنَ اللَّهِ وَحَبْلِ قَوْلِ النَّاسِ" (۱۱۲: ۳) اسی طرح آیات (۹۰: ۲، ۶۱: ۲) سے بھی
معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کی غضب کے شکار ہیں۔

نصاری کے بارے میں آیا کہ "وَلَا تَتَّبِعُوا اَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ
فَاَضَلُّوا كَثِيْرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ" (۵: ۴۷)۔ یہود حق سے پہلو تہی
کرنے کی وجہ سے مورد عتاب ہوئے اور نصاریٰ غلو اور خود رائی سے سختی عذاب۔

یہود کے کفر کا بڑا سبب ان کی بدعظی ہے، یعنی علم رکھتے ہوئے (اور ایک زمانہ
میں توحید کے علمبردار ہوتے ہوئے بھی) توحید کے تقاضوں سے گریزان کے کفر کا سدب ہے
اور نصاریٰ کا کفر عمل بلا علم کے سبب سے ہے، اس لئے کہ عبادات اور عقائد میں انھوں نے
وحی الہی کے بغیر من مانی کی، اسی لئے سیفیان بن عیینہ فرماتے تھے کہ علماء سور یہود کے
مشابہ اور عابد جاہل نصاریٰ کی نظیر ہے، انھوں نے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی
ہے کہ ہم یہود نصاریٰ کی قدم بقدم پیروی کریں گے حتیٰ کہ وہ کسی مملکت غار میں گھس گے
تو ہم بھی ان کے پیچھے ہوں گے صحیحین میں ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے۔ لَتَتَّبِعُنَّ

آیات ۳: ۸۴، ۲: ۱۵۹، ۲: ۱۴۴۔

ان آیات میں بتایا گیا کہ یہود کبھی علم کو بخل کی وجہ سے چھپاتے ہیں کبھی حرص دنیا کے تحت، اور کبھی اپنے دوسرے مصالح کے ماتحت، یہی حال ان مسلم علماء کا بھی ہوگا، جو ان مقاصد کے پیش نظر کتابِ علم کو رد رکھتے ہیں، عبد الرحمن بن ہمدی کا کہنا تھا کہ اہل علم اپنے خلاف بھی لکھنے کی جرأت کر سکتے ہیں، لیکن اہل ہوس اپنے مفاد کے سوا کچھ نہیں لکھ سکتے۔

آیت کریمہ ہے: وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ أَنْزَلْنَا إِلَيْهِمُ الْكِتَابَ فَقَالُوا أَتُؤْتِيهِمْ دِينًا آتُوزِلْ عَلَيْكَآ (۱۲: ۱) (یعنی ایمان کے مطالبہ پر وہ کہتے ہیں کہ ہمارا دین کافی ہے) آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہود کبھی علم کو بخل کی وجہ سے چھپاتے ہیں اور کبھی حرص دنیا سے یہودی بعثت سے پہلے نبی موعود کے منتظر تھے، مگر جب وہ ان کی قوم سے نہیں ہوا تو سرے سے اس کے منکر ہو گئے، کچھ ہی حال ہماری ملت کے تحریک جماعتی عصیت اور گروہ بندیوں کا ہے، علم و دین، شریعت و طریقت کے مختلف دائرے بن گئے ہیں جن میں لوگوں نے حق کو محدود و محصور سمجھ رکھا ہے، حالانکہ ہمارے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی مطاع نہیں۔

آیت شریفہ ہے: الَّذِي هَادَىٰ قَوْمًا يَجْعَلُونَ الْكَلِمَةَ عَنْ مَوَاضِعٍ (۲۶: ۳) اور يَكُونُونَ أَلْسِنَةً هُمْ بِالْكِتَابِ لِيَتَسَبَّوْهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُمْ مِنَ الْكِتَابِ (۷۸: ۳) اس میں تحریف تنزیل اور تحریف تاویل دونوں کی طرف اشارہ معلوم ہوا۔

تحریف تاویلی تو اس امت میں بہت ہوئی ہے، اور تحریف تنزیلی کی صورت

ہے کہ احادیث میں الفاظ گھٹاے بڑھائے جائیں۔ ضعیف اور منکر روایات بیان کی جائیں، یہاں تک تو یہود کے بارے میں تھا، نصاریٰ کے متعلق ارشاد ہوا۔

”يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقْلُدُوا عَلَىٰ أَحَدٍ إِلَّا الْحَقَّ“

(۱۴۱:۴) یعنی دین میں غلو نہ کرو اور حق تعالیٰ کے بارے میں حق ہی کہو دین میں غلو کا ایک پہلو انبیاء اور اولیاء کے ساتھ غلو بھی ہے، جن میں ضدائی روح کا حلول اور اتحاد مان لیا جاتا ہے (اور احمد و احمد کے درمیان سے پر وہ میم کو اٹھا دینے کی کوشش نا روا کی جاتی ہے)

ارشاد ہے: (تَتَذَكَّرُ الْخَبَاءُ لَهُمْ وَرُحْبَانُهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ

وَالْمُسْتَحْمِلُ ابْنُ عَزِيمٍ (۳۱:۹)

یہ عیسائیوں کے بارے میں کہا گیا لیکن خود امت مسلمہ کا بھی یہ حال ہوا کہ پیروں، صوفیوں اور اپنے رہنماؤں کے ماتحت ہو کر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر لیتے ہیں۔

ضلالت کا سبب دین میں غلو

اللہ تعالیٰ نے دین میں غلو کرنے والوں کے متعلق فرمایا: وَرُحْبَانِيَّةً لِّئَلَّا يَتَّبِعُوهُمَا كُتِبَ عَلَيْهِمُ لَا يُنْفَعُوا دِرْصُونَ احَدٌ (۲۷:۵۷) (انہوں نے رہبانیت تراش لی ہم نے تو ان پر خدا کی رضا طلبی فرض کی تھی) ایسے لوگوں کے دین کا حاصل خوش گلوئی اور مقامات کی آرائش کے سوا کچھ نہیں ہوتا، بدعتی صوفیہ بھی اسی کا ارتکاب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اہل باطل کی پہچان بتائی ہے کہ وہ ایک دوسرے

کی تردید کرتے ہیں جیسے مسیحی اور یہودی ایک دوسرے کی تردید کرتے تھے، ویسے ہی ایسے فقہاء، صوفیاء کو کچھ نہیں سمجھتے اور اس قسم کے صوفیاء فقہاء کی شریعت کو ظاہری قرار دیتے ہیں، جہاں تک روم اور ایران کی مشابہت کا خیال ہے تو یہ مسلمانوں کے قول و عمل میں جس طرح داخل ہو گئی ہے وہ ظاہر ہے۔۔۔۔۔ یہاں پھر سوال ہے کہ صراطِ مستقیم کیا ہے تو اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ صراطِ مستقیم کا تعلق قلب کے عقیدہ اور ارادہ سے اور ظاہری عبادات و عادات اور عام زندگی میں انسان کے رویے سے ہے، اور ان ظاہری و باطنی امور میں ایک ربط باہم پایا جاتا ہے، اس لیے کہ ظاہر و باطن اور قلب و ذہن کا ایک دوسرے پر اثر اور رد عمل برابر مرتب ہوتا رہتا ہے، آنحضرتؐ کی بعثت اسی لئے ہوئی کہ وہ مغضوب و ضالین کے طریقوں اور ان کی مشابہتوں سے لوگوں کو بچائیں۔۔۔۔۔ اس تشبہ کی خرابیوں پر لوگوں کی نگاہ عموماً نہیں جاتی کہ عدم تشبہ میں ایک حکمت یہ ہے کہ کسی قوم سے تشبہ کے بعد اس کی خرابیاں نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں، اور اس کی طرف عام میلان پیدا ہو جاتا ہے، جیسے علماء کا لباس پہننے والا اپنے میں ان کی طرف ایک میلان محسوس کرتا ہے، یا فوجی لباس کا استعمال کرنے والا فوجیوں کے اخلاق کی طرف جھکا ہوتا ہے، اور کوئی رکاوٹ ان لوگوں کو نہ ہو تو وہ مکمل مشابہت اختیار کر لیتے ہیں، دوسرے یہ کہ غیر مسلمین سے عدم مشابہت اہل حق کی طرف میلان کا باعث ہو جاتی ہے، اور جب کسی کے پاس دل زندہ ہو اور وہ اسلام حقیقی عرفان بھی رکھتا ہو۔۔۔۔۔ صرف ظاہری اور تقلیدی نہ ہو۔۔۔۔۔ تو وہ اہل باطل سے دوری اور ان کے اخلاق سے پرہیز میں بھی بہت ثابت قدم ہوگا۔

ایک اور مصلحت یہ ہے کہ غیر مسلموں سے ظاہری مشابہت کے بعد حق و باطل کی تمیز اور قویٰ انفرادیت قائم ہو جاتی ہے، یہ تو صرف مباح امور میں تشبہ کا حکم ہے ورنہ اگر موجبات کفر اور اعمال کفر میں مشابہت ہے تو وہ سبب کفر بھی بن سکتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شَيْعًا كُنْتُمْ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَا اَعْرَضْتُمْ عَنْ اَحَدٍ ثُمَّ يَنْتَقِبُ عَنْكُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (۱۴۰:۶)
(جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق پیدا کی اور گروہوں میں بٹ گئے آپ ان کی کسی بات کے ذمہ دار نہیں ان کا فیصلہ خدا کے ہاتھ ہے وہ ان کے فعل کی خبر دے گا)
ظاہر ہے کہ تفریق فی الدین کافرین ہی کا کام ہے جیسا کہ ارشاد ہوا: وَلَا تَكُنْ مِنَ الْكَافِرِيْنَ
تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ (۱۰۵:۳) آیات نمبر ۶:۹
۱۴:۵ اور ۶۴:۵ میں بھی یہی کہا گیا۔

آیت بالا میں کُنْتُمْ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ کہہ کر بتا دیا گیا کہ آپ کو ان سے مکمل بائیکاٹ کرنے کا حکم ہے اور پھر آپ کے واسطے سے امت کو بھی یہی حکم ملا ہے، اس صورت حال کے پیش نظر ایک کا وصال دوسرے سے انفصال کا اور ایک کا قرب دوسرے سے بعد کا مراد ہے۔

سَارَتْ مَشْرِقَةٌ وَسِرَتْ مَغْرِبًا

وَشَتَانِ بَيْنَ مَشْرِقٍ وَمَغْرِبٍ

آیت کریمہ ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ هَادَوْا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَنْ يَبْدُوْا لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَوْ تَخَفُوْكُمْ اِنَّمَا يَسْتَلِمُكُمْ بِحُكْمِ اللّٰهِ فَيُغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ
وَاحْدَهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ مِّنَ الرَّسُوْلِ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

كُلُّ اٰمَنٍ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكِتٰبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا تَفْرُقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ
 وَقَالُوا سَاعِدْنَا وَاَطْعِنَا عَفْوَ اِنَّكَ رَبُّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۰﴾ (ہم) جو کچھ زمین
 و آسمان میں ہے خدا کا ہے، تمہارے دل میں جو ہے اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ اس کا
 حساب لے سکتا ہے پھر جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے، عذاب دے اللہ ہر شے پر
 قادر ہے یہ رسول اپنے رب کی وحی پر ایمان لاتے ہیں، اور مومنین بھی یہ سب اللہ، ملائکہ
 اس کی کتابوں اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں (اور وہ کہتے ہیں) کہ ہم رسولوں کے
 درمیان تفریق نہیں کرتے، اور کہتے ہیں کہ ہم سنتے اور اطاعت کرتے ہیں اور آپ کی
 مغفرت چاہتے ہیں، اور آپ ہی کی طرف جانتے ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضرات
 صحابہ فکر مند ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گھٹنوں کے بل
 بیٹھ کر عرض رہا ہوئے کہ حضور ہم عبادات اربعہ کی طاقت رکھتے ہیں، لیکن اس آیت
 کی تاب ہم نہیں لا سکتے، آپ نے فرمایا کہ کیا تم اہل کتاب کی طرح یہ کہنا چاہتے ہو کہ
 ”سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا“ بلکہ ”سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا“ کہو۔ پھر صحابہ نے جب سمع و طاعت کا مظاہر
 فرمایا تو اس سے آگے کی آیتیں انہیں جن میں تکلیف مالا یطاق، آصا و اغلال، اور ان
 مشقتوں کے ختم کر دینے کا اعلان ہوا جو اگلی امتوں میں تھیں۔

”لا سہانیۃ فی الاسلام“ کہہ کر آپ نے اہل کتاب اور دوسرے اہل مذاہب
 کی دنیا بیزاری اور غلط دینداری کا خاتمہ کر دیا، اور ان انتہا پسندیوں کی طرف اشارہ
 کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ترک دنیا اہل کتاب کے آثار میں سے ہے فَتَلَکَ بِغَايَاہُمْ فِی

ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا لِلنَّصَارَىٰ أَصْلِيًّا**
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَيَتَّبِعُهُمْ فَإِنَّهُمْ مِنْهُمْ (۵: ۵۱) (اے ایمان
 یوں اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ بلکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور
 تم میں سے جو ان سے دوستی کا دم بھرے گا وہ انہی میں سے ہوگا)

دوسری آیت میں کہا گیا: **الَّذِينَ آمَنُوا أَقْوَمًا خَصِيبٌ اللَّهُ عَلَيْهِمْ**
مَاهُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ (۱۲: ۵۸) (کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جو خدا کی معنوب
 قوم سے دوستی کرتے ہیں، حالانکہ نہ وہ ان میں سے ہیں نہ یہ ان میں سے)
 اسی مفہوم کو آیات (۵۸: ۲۲-۲۳، ۵۹: ۲۲-۲۳، ۵۵: ۵) میں بیان کیا گیا کہ کفر و اسلام
 کی دوستی کا کوئی مطلب نہیں۔

ظاہری تشبہ کے بارے میں ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ کسی قسم کی مودت و
 موالات کا ذریعہ نہیں تو اس کے ترک میں کوئی مصلحت نہیں، لیکن یہ بھی بہر حال ایک طرح
 کا تقرب ہے، جیسا کہ عادت و طبیعت کا تقاضا ہے، اسی لئے سلف نے حکومت کے
 شعبوں میں ان سے استعانت کو غلط کہا ہے، امام احمد نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے
 روایت کی ہے کہ انھوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں نے ایک نصرانی سکرٹری رکھ لیا ہے
 آپ نے خطا ہو کر فرمایا کہ کوئی مسلمان نہیں ملا تھا، انھوں نے جواب دیا، اس کا دین اس کے
 پاس، مجھے تو اس کے کام سے کام ہے۔ (لیکن ثابتاً و لا دیناً)۔ اس پر انھوں نے
 فرمایا کہ جب خدا نے ان کو ذلیل و محروم کیا ہے تو میں انھیں معزز اور مقرب نہیں بنا سکتا
 • **كَأَكْرَمِهِمْ إِذَا لَهَا نَهْمُ اللَّهِ وَلَا أَعْنِي هُمْ إِذَا لَهَا نَهْمُ اللَّهِ** (ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے)

لیکن احضار اور عام علما اسے جائز بھی کہتے ہیں اگرچہ تحسن نہیں ضروری کہتے ہیں الاستعانة بالآخرین فی
 الجہاد جائز و لکن قال انه بمنزلة الاستعانة بالكلاب (شرعاً مکرمہ) (۱۶/۲) نیز ۱۶/۲ بھی ملے ہوئے ہیں

صمیمین میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا: **ان الیہود والنصار**
لا یصحبون فی الفوہم "یہود و نصاریٰ خضابِ ستھالی نہیں کرتے تم استعمال کر کے
 ان کی مخالفت کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کا مقصد یہ بھی ہے کہ دوسری شریعتوں
 کے مقابلے پر اپنا امتیاز قائم کرے۔

اسلام اور قدروں کا کامل تصور

(اسلام چونکہ آخری صداقت اور انسانیت کے لئے مکمل نعمت ہے اس لئے
 اس میں زندگی کی قدروں اور خوب و ناخوب کا تصور اور معیار بہت واضح و مکمل و
 دو ٹوک ہے، وہ فلسفہ نہیں کہ چھوٹی موٹی سیائیوں کی اپیل کرے اسے انسان بنانا
 اور ڈھالنا ہے اس لئے وہ زندگی کے لئے بنے بنائے سلچے دیتا ہے، اسے زندگی
 کے قافلے کی رہنمائی کرتا ہے اس لئے راستہ کے تمام آثار چرھاؤ کو پہلے ہی بتا دیتا
 ہے)۔ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ اسلام جب کوئی حکم دیتا یا جہاں منع کرتا ہے
 تو صرف اس مخصوص و متعین امر و نہی کو نہیں سامنے رکھتا بلکہ اس اچھائی اور برائی
 کے سرچشمہ اور اس کے پورے سلسلہ کو قبول یا رد کرنا چاہتا ہے۔

جیسے جب وہ کہتا ہے کہ..... **وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ**

الْمُحْسِنِينَ ۱۹۵:۲ اور اچھا کام کرو کہ اللہ نیکو کاروں کو

پسند کرتا ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ دَرَسُوا ۱۵۷:۷**۔ اللہ رسول پر ایمان

لاؤ، **يَا أَهْلَ الْكِتَابِ رَبِّي هَبْ لَكُمْ ۲۵:۵** اس خدا کو پوچھو جو میرا اور تمہارا رب

ہے، **يَا فَعَلَيْكَ تَوَكَّلْ ۸۳:۱**۔ اللہ ہی پر بھروسہ کرو، تو ان تمام

آیتوں میں تقویٰ، احسان و ایمان، عبادت و توکل کی تعلیم دی گئی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اچھائی کی کل ہی شکلیں ہیں بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ اچھائیاں بھی اپناؤ اور دوسری وہ تمام اچھائیاں اور عالمی سچائیاں بھی اختیار کرو جو اسلام میں ہیں یا اسلام جن کی تردید نہیں کرتا۔

اس لئے اگر کسی متعین برائی میں کسی شخص کو مبتلا دیکھ کر اسے خوب خدا کے لئے کہا جائے اور تقویٰ کی تعلیم دی جائے تو اس کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ اس برائی سے رُک جائے بلکہ اس کے ساتھ دوسری برائیوں سے گریز و پرہیز بھی اس میں شامل ہے۔ اس تہید کے بعد ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جہاں یہود و نصاریٰ، مشرکین یا دوسری قوموں سے ترک تشبہ کے لئے کسی خاص چیز کا حوالہ دیتے ہوئے کہا گیا ہے تو اس کا مطلب اس خاص شے ہی تک محدود نہیں بلکہ اس کا کھلا مفہوم یہ ہے کہ ہر غیر اسلامی شعار اور شعار سے بچنا اور بھاگنا اسلام کو مطلوب ہے لہذا الاعتبار لعموم اللفظ لا لخصوص الذکر عام مفہوم کا اعتبار ہے نہ کہ مخصوص الفاظ کا۔ پھر عموم کا جو مفہوم بھی لیا جائے اس میں کلیتہً داخل ہے، یعنی اگر مخالفت کفار و مشرکین کا عام حکم ہے اور ان کے تشبہ سے عام طور پر منع کیا گیا ہے تو یہ حکم صرف چند معاملات میں مخالفت، یا ترک تشبہ سے نہیں پورا ہو جائے گا بلکہ اس کے پورے تقاضوں پر عمل ضروری ہے جیسے چند بچوں سے گستاخ نہیں بنتا اور ڈیڑھ اینٹ سے سیڑ نہیں تعمیر ہو جاتی اسی طرح اللہ کے امر و نہی کی انجام دہی صرف چند باتوں کی تعمیل کر لینے لے اگر پیری مثل ہے۔

سے نہیں ہو جاتی، بلکہ اپنے کو مکمل طور پر خدا کے حوالے کر دینے سے ہوتی ہے۔
 وہ فرماتے ہیں کہ جب شارع علیہ السلام نے ان کی مخالفت کا حکم دیا تو پھر
 نیت اور عدم نیت، شعور اور بے شعوری کا کوئی فرق نہیں رہ جاتا یعنی ہم مشرکین
 کے کسی عمل کی موافقت یہ کہہ کر نہیں جواز کہہ سکتے کہ یہ بے اختیار یا بغیر شعوری
 عمل ہے جس میں ان کے ساتھ تشبہ کے قصور و اراوہ کا دخل نہیں، اس کی ایسی ہی
 صورت ہے جیسے مریض کو ان تمام چیزوں سے رکنا چاہیے، جو بد پرہیزی میں
 شمار ہوتی ہیں۔ خواہ ان کے استعمال میں اس کی نیک نیتی ہی کو کیوں نہ دخل ہو۔
 وہ کہتے ہیں کہ جہاں کسی وسعت کے بعد فنا کو داخل کر کے کوئی حکم دیا جائے
 تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ حکم ہی علت ہے، اس لئے یہاں ان الیہود
 والنصارى لا یصیبون کہہ کر مخیال فوہم کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی
 مخالفت بھی مقصود شریعت ہے، پھر اس کے ساتھ ہی اس فعل میں بھی کوئی
 زبردست خرابی ہوتی ہے جس سے روکا جاتا ہے کیونکہ ظاہری مشابہت سے تو تنہا
 کی خرابی ہوتی ہے، مگر اس فعل کا اثر جو قلب و باطن اور من پر پڑتا ہے، وہ اس سے
 کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ ع

نیت بیماری جو بیماری دل

اسلام میں اگر ظاہری تشبہ اور کیسا نیت سے روکا گیا ہے تو یہ کوئی اندھا
 مخالفتانہ جذبہ یا بغض ظہری نہیں اور نہ اس میں کسی قومی اور نسلی احساس برتری
 اور عصبیت کو دخل ہے بلکہ اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ظاہری مناسبت اور
 موافقت کا اثر ظاہری تک نہیں رہتا بلکہ وہ انسان کے قلب و دل و نگاہ

تک سرائیت کر جاتا اور رگ و ریشہ میں پیوست ہو جاتا ہے، اگر کفارہ مشرکین سے ظاہری یک رنگی اور ہم آہنگی اپنی جگہ تک محدود رہتی تو شریعت میں ان کی مخالفت کی تعلیم اتنی شدت سے نہ ہوتی، بلکہ یہاں تو اس کا اثا معاملہ ہے کہ یہ ہم نوائی جہاں ظاہر کو گندہ کرتی ہے وہیں باطن کو بھی آلودہ کر دیتی ہے اور دل کی گندگی اسلام کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی اصلاح کا مرکز دل ہی تو ہے۔

بغیر دل ہمہ نقش و نگار بے معنی
ہیں ورق کہ سیہ گشت مدعا اینجا!

شیخ الاسلامؒ نے اس مخالفت کی دوسری وجہ بتائی ہے کہ مشرکین کے ہاں یا تو وہ چیزیں ہیں جن میں کوئی اصلیت اور حقیقت نہیں یا وہ باتیں ہیں جن کی اصل تو ہے مگر اس کی شکل بگڑی ہوئی ہے، اس لئے اسلام اس میں ترمیم و اضافہ کے بعد ہی رد و قبول کا کوئی اختیار دے گا، پھر دین کامل کے آنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اگلی شریعتیں اور تہذیبیں ناقص تھیں یا بعد میں ان میں نقص پیدا ہو گیا اس لئے کہ اگر وہ آخری سچائی ہوتیں تو پھر نئے دین، نئی کتاب اور نئے رسولؐ کے بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اسی لئے آیا تھا کہ تہذیبوں کو سہارا دے اور ان کے صالح نقوش کو ابھارے، مذاہب کی تجدید و اصلاح کرے، وقت کی مانگ اور زمانے کے تقاضے کو پورا کرے، تاریخ انسانیت کے خلا کو بھر دے، اور فکر و نظر کی خلیج کو پاٹ دے، اس حقیقت کے ماننے کے بعد یہ ماننا ضروری ہے کہ اب کسی مذہب و تہذیب میں زندہ رہنے اور زندگی کو کچھ دینے

کی صلاحیت نہیں ہے اور اس کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کسی مذہب میں کوئی عالمی صداقت مکمل شکل میں موجود رہ گئی ہے (ولا يتصور ان يكون شئ من امورهم كاملاً قط ۵۷)۔

کفر و شرک کی یہ مخالفت بلا وجہ نہیں ہوگی بلکہ دین و دنیا دونوں ہی کے فائدے اور نفع اس میں ہوں گے حتیٰ کہ جن دنیاوی معاملات میں ان کا پورا یقین ہے یا وہ واقعی ان کے لئے مفید ثابت ہو چکی ہیں ان کا بھی حال یہ ہے کہ وہ ہماری دنیا اور آخرت کے لئے مضر اور نقصان دہ ہو سکتی ہیں، اس لئے مخالفت بہر حال ضروری ہو جاتی ہے۔ وحتى ما هم عليه من اتفاق امور دنیا هم قد يكون مضراً بالآخرتنا او بما هو اهم منه من امور دنیانا ۵۷۔

کفر و شرک مومن کے لئے دل کی بیماری سے کم نہیں اور جب دل ہی بیمار ہو تو پھر جسم کی خیر نہیں اس لئے کہ اگر جڑ سوکھ رہی ہو تو درخت لاکھ ہر بھر اہل سین کبھی دیکھی وہ سوکھ کر رہے گا، یہاں ابن تیمیہ اپنی غیر معمولی فراست و دینی بصیرت کے ماتحت ایک بات کہتے ہیں کہ تشبہ سے مخالفت کی علت و حکمت آسانی سے سمجھ میں آنے والی نہیں، جب تک کہ ٹھنڈے دل سے اس پر غور نہ کیا جائے اور اللہ کی مدد نہ ہو، یہ بات دل میں اترنے والی نہیں، بظاہر تو لوگ یہی کہیں گے کہ یہ مخالفت کا حکم اسی لئے دیا جا رہا ہے تاکہ اسلام کو زبردستی غالب کیا جائے اور سیاسی قوت و شوکت کا مظاہرہ کیا جائے، اپنی بڑائی اور برتری قائم رکھی جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبوت اور شریعت ملک و سلطنت کی انتہا ہے، لیکن نبوت کی سلطانی اور حکمرانی ہی مومن کا مقصود ہوتی ہے، اسے دنیا کی عزت و حکومت

سے کوئی غرض نہیں ہوتی اسلام چند تصورات کی حکومت چاہتا ہے، خدا کی
سلطنت کو پھیلا نا چاہتا ہے، نہ کہ انسانوں پر انسانوں کے اقتدار کو
ان کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے، شاہی نہیں،

کفر کی مخالفت، اسلام کا مقصود

امام احمدؒ بھی اس گزشتہ حدیث میں کفر کی مخالفت ہی کو اسلام کا مقصود
قرار دیتے ہیں، جنہیں کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ (امام احمدؒ) کو کہتے سنا کہ میں کسی
مسلمان کے سفید بال نہیں دیکھنا چاہتا، حضورؐ نے خطاب کا حکم دیتے ہوئے فرمایا
ہے کہ بالوں کو رنگ دیا کرو، اور اہل کتاب کی مشابہت مت کرو، اسحاق بن ابراہیم
کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ کو اپنے والد سے یہ کہتے سنا کہ ایک بار ہی سہی لیکن خطاب
کر لو تاکہ یہودی مشابہت نہ رہے، اس لفظ سے امام احمدؒ نے استدلال کیا ہے،
ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: **غیر الشیب**
ولا تشہوا بالیہود، ترمذی نے اسے حدیث حسن صحیح کہا ہے، اور نسائی نے
حضرت زبیرؓ سے یہی روایت کی ہے اور عبد اللہ بن عمرؓ سے بھی اس کی تائید
روایت نقل کی ہے، لیکن لکھا ہے کہ حدیثیں محفوظ نہیں، دارقطنی کہتے ہیں کہ عروہ
کی یہ روایت مرسل مشہور ہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اسلام کے اس مزاج TEMPERAMENT
ہی کا اظہار صفائی سے ہوا ہے، اس لئے کہ بڑھاپے اور بالوں کی سفیدی میں نازنا

شداد ابن اوسؓ کی روایت میں حضورؐ نے فرمایا: **خالفوا اليهود فانهم لا يصلون في نعالهم ولا خفافهم** (البوداؤد) یعنی یہودی مخالفت کرو وہ جوتوں اور موزوں کو پہنتے ہوئے نماز نہیں پڑھتے، خیال رہے کہ یہ حکم اس خدائی حکم کے باوجود دیا جا رہا ہے، جو حضرت موسیٰؑ کو وادی امین میں ملاتھا کہ جوئے اتار کر آئیے **فَاُخْلَعْ نَعْلَيْكَ** (۱۳:۲۰)

حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا: **فَصَلُّ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ: أَكَلَةُ السَّحَرِ** (مسلم) یعنی اہل کتاب کے اور ہمارے روزوں میں فرق یہ ہے کہ ہم سحری کھاتے ہیں اور وہ نہیں کھاتے، اس سے معلوم ہوا کہ سحری کی تعلیم اور تاکید سے دونوں قوموں کے طرز عبادت میں فرق کرنا مقصود تھا۔
البوداؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں حضورؐ کا ارشاد ہے: **لَا يَزَالُ**

الَّذِينَ ظَاهَرُوا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَةَ لَانَ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى يُوْخِرُونَ (یعنی دین اس وقت تک غالب رہے گا جب تک مسلمان افطار میں جلدی کرتے رہیں گے، اس لئے کہ یہود و نصاریٰ اسے مؤخر کرتے ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ غلبہ دین اہل کتاب کی مخالفت ہی کے بعد حاصل ہوگا، اور جب غلبہ دین کی مخالفت سے حاصل ہوتا ہے تو انبیاء بھی غلبہ دین کے لئے آتے ہیں، اس لئے ان کا مقصد بعثت بھی یہی مخالفت کوں جائے گی، البوداؤد نے حضرت ابوالیوب انصاریؓ کی

لے لیکن اس میں ذرا یہ تفصیل ہے کہ جوئے پاک ہونا چاہئیں پھر حکم اس وقت تھا جب سجدوں کے فرش کچے ہوتے تھے اور چٹائی، بامناز و غیرہ نہیں بچھائی جاتی تھی بعد میں صفائی کے خیال سے بغیر جوتا پٹنہ نماز پڑھنے کا رواج ہو گیا۔

روایت نقل کی ہے، لا تزال امتی بخیر ما لم یخروا المغرب الى ان تشتبك النجوم، یہی ہی امت اس وقت تک کامیاب رہے گی جب تک کہ وہ مغرب کی نماز میں تاخیر نہ کرے)

ابن ماجہ نے حضرت عباسؓ سے امام احمدؒ نے سائب بن یزیدؒ سے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس کو یہودی کی مشابہت قرار دیا ہے، اور اسی روایت میں ہے، وما لم یخروا النجم الى محاق النجوم مضاهاة للنصرانية، کہ جب تک وہ فجر کو تاروں کے چھپنے تک نہ مؤخر کریں جو نصاریٰ کی مشابہت ہے۔

سعيد بن منصور عبد الرحمن ضاحی سے روایت کرتے ہیں، لا تزال امتی علی مسئلة ما لم ينظر وايا المغرب اشتباك النجوم مضاهاة لليهودية، وما لم ينظر وايا النجم محاق النجوم مضاهاة للنصرانية وما لم يكلوا الجناح الى اهلها؟

سعيد کہتے ہیں کہ بشر بن خصاصیہ کی بیوی (ایلیٰ) کہتی ہیں کہ میں نے صوم وصال رکھنا چاہا تو بشر نے مجھے یہ کہہ کر روک دیا کہ حضورؐ نے اسے نصاریٰ کی مشابہت قرار دی ہے اور رات میں افطار کا حکم دیا ہے (احمد)

حضرت انسؓ کی روایت ہے، ان اليهود كانوا اذا احاضت المرأة فيهم لم يدركوها ولم يبايعوها في البيوت نسأل اصحاب النبيؐ فانزل الله يسئلونك عن المحيض فقال امنوا كل شيء الا النكاح الخ یعنی یہودی عورت کو اچھوت سمجھ کر اس کے ساتھ کھانا اور اٹھنا بیٹھنا بھی ترک کر دیتے تھے صحابہؓ نے آپؐ سے پوچھا تو آیت اتری، پھر آپؐ نے فرمایا کہ جلوس کے

سوا اور کوئی چیز منع نہیں، جب یہود کو یہ معلوم ہوا تو وہ کہنے لگے کہ یہ شخص تو ہمارے مطلب کی ایک بات بھی اپنے دین میں باقی نہیں چھوڑتا، اسید بن حنیفہ، عباد بن بشر نے اگر حضور سے عرض کی کہ یہود تو ایسا ایسا کہتے ہیں کیا ہم عورتوں کے ساتھ بھی نہ رہیں؟ یہ سن کر چہرہ اقدس کا رنگ غصہ سے بدل گیا یہ دیکھ کر یہ لوگ وہاں سے اٹھ آئے تو پھر حضور نے دودھ کا ہدیہ بھیجا جس سے ان کو تسلی ہوئی کہ حضور خفا نہیں ہیں (مسلم) ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ مخالفت اصل حکم اور وصف حکم دونوں میں ہوتی ہے، حالتہ سے اجتناب کی اصل میں تو اختلاف نہیں ہاں وصف میں ہے، طہارت کے باب میں یہود کے ہاں بڑی سختی تھی، اس کے برخلاف نصاریٰ کے ہاں اتنی ڈھیل اور چھوٹ تھی کہ کوئی چیز ناپاک ہی نہیں ہوتی تھی، شریعت مطہرہ نے طہارت اور پاکیزگی کا بھی ایک درمیانی راستہ نکالا جس میں ان دونوں قوموں کی افراط و تفریط باقی نہ رہی۔

اوقات نماز میں تشبہ سے ممانعت

نماز اور عبادت کے اوقات میں مومنین اور مشرکین کا امتیاز ضروری تھا اس لئے جس طرح خدا اور العباد الطبیعی حقائق کے تصور میں ان دونوں میں اختلاف ہے، اسی طرح ان کے طرز بندگی اور اظہار عبدیت میں بھی تفاوت ہے ہمارے ہاں تنزیہ اپنی آخری شکل میں موجود ہے، اور دوسروں کے ہاں تشبیہ اور استعاروں کے جسم میں مقید، تو جید بھی ہے تو شرک و امحاد کا ننگ لئے ہوئے ہے

ہے پرے سرحد اور اک سے اپنا مسجد
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نہا کہتے ہیں!

ابن تیمیہؒ عمرو بن عبسہؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ ان کا بیان ہے، میں جاہلیت میں بھی بہت پرستی سے بیزار تھا، آنحضرتؐ کی بعثت کی خبر سن کر خدمت بابرکت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا ابھی واپس جاؤ جب میری مشکلات کم ہو جائیں تو آنا چنانچہ میں نے محبت کے بعد مدینہ حاضر ہو کر حضورؐ سے پوچھا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ حضرتؐ نے فرمایا ہاں تم تو مکہ میں مجھ سے ملے تھے، پھر میں نے نماز کے اوقات معلوم کئے تو آپؐ نے طلوع آفتاب کے وقت نماز سے روکا کہ یہ شیطان کی کارستانیوں کا وقت ہے اور مشرکین کی پوجا بھی اسی وقت ہوتی ہے، پھر زوال کے وقت بھی منع فرمایا کہ اس وقت جہنم دکھائی جاتی ہے، پھر غروب کے وقت بھی آفتاب شیطان کی دو سینگوں کے درمیان ڈوبتا ہے، اور مشرکین پوجا کرتے ہیں، اس لئے اس وقت نماز سے منع فرمایا (مسلم) ان اوقات میں نماز سے اس لئے روکا گیا کہ لوگ کہیں غلط فہمی میں نہ سمجھ بیٹھیں کہ دونوں کا تصور الوہیت اور طرز عبادت ایک ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ اگرچہ بہت سے آدمی یہ علت نہیں جانتے لیکن پھر بھی عام طور سے ان تین وقتوں میں روک دیا گیا تاکہ مشابہت کا جڑ سے خاتمہ ہو جائے۔

اسی مشابہت سے بچنے کے لئے آنحضرتؐ نے سترہ (کڑی) کو بالکل سلنے رکھنے سے منع فرمایا ہے بلکہ ذرا دائیں یا بائیں رکھنے کا حکم ہے تاکہ اس کو سجدہ کا گمان نہ ہو اور اسی لئے کسی کی طرف رخ کر کے سجدہ سے بھی روکا گیا کہ غیر اللہ

کو سجدہ کرنے کا اندیشہ نہ پیدا ہو۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے نماز میں کسی کو باتیں باتھ پر ٹیک لگائے دیکھا تو منع کیا کہ اس طرح معتب لوگ بیٹھتے ہیں، اور ایک روایت میں ہے کہ یہ مغضوب لوگوں کی نماز ہے، یہ روایتیں ابو داؤد میں موجود ہیں۔

بخاری میں حضرت مسروقؓ کی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ نماز میں کمر پہ باندھ رکھنے کو ناپسند فرماتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ یہود کا فعل ہے، حضرت ابو ہریرہؓ نے حضورؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے (مسلم) زیاد بن صلیح کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے اپنی کمر پہ باندھ رکھا تو آپ نے نماز بعد فرمایا کہ یہ نصاریٰ کی مشابہت ہے اور اس سے صلیب کی صورت پیدا ہوتی ہے، **هَذَا الصَّلْبُ فِي الصَّلَاةِ** وكان ينهى عنه (احمد ابو داؤد، نسائی) حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت ہے حضورؐ بیمار تھے اس لئے بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور حضرت ابو بکرؓ آپ کی تکبیر لوگوں تک پہنچا رہے تھے اور ہم لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے بیٹھ کر پڑھنے کا اشارہ فرمایا، ہم لوگ بیٹھ کر پڑھنے لگے پھر آپ نے سلام کے بعد فرمایا، تم لوگوں نے فارس اور روم کا انداز اختیار کیا تھا کہ ان کے بادشاہ بیٹھے اور وہ دیواریں کھڑے رہتے ہیں، امام جس طرح پڑھ لے تم بھی اسی طرح پڑھا کرو (مسلم، ابو داؤد) ابو داؤد کے سوا دوسری روایتوں میں ہے، لے احسان کے یہاں امام اگر قیام سے معذور ہو تو مقتدی اس کے پیچھے کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھیں گے، اس لئے کہ وہ معذور نہیں۔

”ولا تعظمونی کما یعظم لاهلجم بعضہا بعضاً“ (عجمی طرز پر میری تعظیم نہ کرو)
 شیخ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ انھوں نے عجم کی مشابہت کے سبب قیام جیسے
 اہم رکن کو چھڑا دیا جو نمازیں فرض ہے اس سے شریعت کی روح کا اندازہ کیا جاسکتا
 ہے، حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تک
 جنازہ قبر میں نہ رکھا جائے بیٹھتے نہیں تھے، ایک دفعہ ایک پادری نے آپؐ سے کہا
 محمد! ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں یہ سن کر آپؐ بیٹھ رہے اور فرمایا کہ ان کی مخالفت
 کرو، (ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی)

جنازہ کے لئے کھڑا ہونے کی روایتیں ہیں، مگر حضرت علیؓ کی روایت میں
 اس کے برعکس بھی ہے، بخاری نے عبدالرحمن بن قاسم سے روایت کی ہے کہ قاسم
 جنازہ کے سامنے چلتے تھے، اس کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے، اور حضرت عائشہؓ کا
 قول نقل کرتے تھے کہ قیام جاہلی دستور ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے رسول اللہؐ نے فرمایا: اللھد لنا والشق لغیرنا
 (ہمارے لئے ہدایت اور دوسروں کے لئے سیدھی قبر ہے) (سنن اربعہ)
 جریر بن عبداللہ بکلیؓ فرماتے ہیں، حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا ”بغلی قبر
 ہمارے لئے اور کھلی قبر نصاریٰ کے لئے ہے“ (احمد)

جاہلیت سے مانعت

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے۔

”لیس منا من شرب الخمر و شق الجیوب و دعا بدعوی

المجاہلیۃ“ (متفق علیہ) یعنی جو کسی کی موت پر اپنے چہرے پر مارتا، اگر بیان چاکل کرتا

اور جاہلی کلمات کہتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ ابوالک اشعریؒ کی روایت میں ہے میری امت جاہلیت کے چار کام نہیں چھوڑ سکے گی، (۱) قومیت کا فخر، (۲) نسب میں طعنہ زنی، (۳) ستارہ سے خبر گیری، (۴) نوہ گیری۔ اور ناکھ اگر تو بہ نہیں کرتی تو وہ قیامت میں گرم تانبے کا پا جامہ اور غارش کا کرتہ پہنائی جائے گی۔ (مسلم) ایام جاہلیت میں عربی عورت آج کی فیشن ایبل اور انتہا پسند (ULTRA MODERN) خواتین ہی کی طرح آرائش جمال اور نمائش حسن میں عریانی کی حد تک پہنچ چکی تھی، بلکہ طوات کعبہ بھی عریاں ہوتا تھا، قرآن نے اس بڑھی ہوئی آزادی پر بریک لگائی اور مسلم خواتین کو حکم ہوا کہ نقاب و حجاب میں رہو اور جاہلیت کی روش چھوڑ دو، وَلَا تَبْرُجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (۳۳: ۳۳)

حضرت ابوذرؓ نے کسی کو ماں کا طعنہ دیا تو آپؐ نے انہیں ڈانٹا کہ تم میں ابھی جاہلی نخوت باقی ہے (إِنَّكَ أَمْرٌ فَيَكُ الْجَاهِلِيَّةِ) اسی طرح قرآن مجید میں ہے: اِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ (۲۶: ۲۸) (جب کافر جاہلی حمیت پر اتر آئے) حمیت جاہلی میں نسب کے فخر و غرور اور ہر قسم کے آداب و رسوم سے اجتناب کی طرف اشارہ فرمادیا گیا۔

بخاری میں ابن عباسؓ کی روایت ہے تین چیزیں جاہلیت کی یادگار ہیں، نسب میں طعنہ زنی، نوہ گیری، سفیان کہتے ہیں اور تیسری چیز نچر کا ماننا، مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ لوگوں میں دو باتیں کفر کے انداز کی ہیں، نسب میں طعن، اور مردہ پر نوہ۔

صحیحین میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت ہے کہ غزوہ تبوک سے واپسی پر مہاجرین کے ایک ظرف نے ایک انصاری صحابی کو مار دیا جس پر بات بڑھ گئی اور دونوں نے اپنی قوم کی دعائی دی تو حضورؐ نے دریافت فرمایا یہ چالی لاکھ کیسی؟ پھر جب لوگوں نے بتایا تو آپؐ نے فرمایا اس مردارِ رسم کو چھوڑ دو، (دعوھا فاخذھا منقذہ) انصاری اور مہاجر دونوں شرعی خطاب ہیں لیکن جب غلط مقصد کے لئے اور عصبیت کو ابھارنے کے لئے انھیں استعمال کیا گیا تو آپؐ نے اسے جاہلیت کہا۔ ————— ابو داؤد کی حدیث میں عبد اللہ بن عمرؓ بھی کہتے ہیں کہ میں فارسی غلام تھا، احد میں جب میں نے ایک مشرک کو مارا تو فخر یہ کہا "انا الغلام الفارسی" (میں ایران شتراد ہوں) اس پر حضورؐ نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ خذھا منی وانا الغلام الانصاری" (کہ میں ایک انصاری ہوں)۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے باہمی تکلف و عصبیت ختم کر دی اب یا تو مومن متقی ہو گیا یا فاجر شقی، تم سب آدم زاد ہو اور آدم مٹی کے تھے، اور جو آبائی غرو میں مبتلا ہے وہ جہنم کا نیند من اور غلاظت کا کثیر ہے (ابوداؤد)

مسلم میں انہی کی روایت ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا: جو اطاعتِ امیر سے بھٹکا اور جماعت کو چھوڑا تو وہ جاہلیت کی موت مرا، اور جو جاہلی عصبیت کا داعی ہو یا اس کی مدد کرے یا اس کے لئے خفا ہو اور مارا جائے تو جاہلی طور پر قتل ہوا، اور جو میری امت پر بے محابہ تلوار کھینچتا ہے وہ میرا نہیں ہے۔

انہی کی دوسری روایت میں اس کی تشریح ہے کہ مصنف نے فرمایا "ایک زمانہ وہ ہوگا کہ قاتل و مقتول کسی کو اپنے موقف کا پتہ نہ ہوگا بس خون کا چسکہ لگا ہوگا اور دونوں جہنمی ہوں گے، مسلم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، ابغض الناس الى الله ثلاثة ملحد في الحرام ومتبع في الاسلام سنة الجاهلية في دم ومطل دم امری بغیر حق لیروق دمہ لڑتین آدمی خدا کو حد درجہ ناپسند ہیں، حرم میں فتنہ پرداز کرنا والا، اسلام میں جاہلی سنت کا احیاء کرنے والا، ناحق خون بہانے والا، فساد و دنیا میں قتل اور فساد دین میں حرم کی بے حرمتی ہے، اس لئے کہ جیسے وہاں کے عمل کا ثواب زیادہ ویسے ہی عذاب بھی کم نہیں اور صحیح مسلک یہ ہے کہ اب شہر حرام کی حرمت تو باقی نہیں مگر حرمت بلند حرام باقی ہے۔ پھر جاہلیت، حال اور مصفت بھی ہے اور اسم و ذوال حال بھی یعنی اس میں دور جاہلیت اور حد جہالت بھی اور ایام جاہلیت کی شخصیات، رسومات اور عادات بھی شامل ہیں، حاصل یہ ہے کہ ہر وہ شے جس کا کسی قسم کا تعلق جاہلیت سے ہو وہ اسلام میں ممنوع ہے (الآیہ کہ اس میں جاہلیت کے معنی نہ پائے جائیں۔ جیسے فضائل اخلاق، عفت و شجاعت، کرم و سخاوت وغیرہ جاہلی دور کی چیزیں نہیں، بلکہ عالمی اقدار ہیں جنہیں اسلام نے ترقی دی، اور کماؤ اختیار کرنا فی الجاہلیۃ خیار کفر فی الاسلام)۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ بھل صرف عدم علم ہی کو نہیں کہتے بلکہ خلاف حق اور خلاف علم عمل کو بھی بھل کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-
 اِنَّهَا النَّوْۤیۡۃُ عَلٰی اٰۤیٰۤاتِیۡنَا الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّوۡۤءَ یَجۡهَلُوۡۤنَ اِلَیۡہِ الرَّۤسۡۤدُ

ان کی توبہ قبول کرتا ہے جو ناواقفیت میں غلطی کرتے ہیں)

صحابہ کرامؓ کہا کرتے تھے کہ جو کوئی بھی برا کرتا ہے وہ جاہل ہے، اہل من عمل سوءاً فہو جاہل، اس کی وجہ یہ ہے کہ علم اس یقین کو کہتے ہیں جس سے آدمی اپنے قول و فعل کا ایک معیار قائم کرتا ہے، اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے حقیقی علم حاصل نہیں یا اس کی قوت ارادی کمزور ہے اور یہ دونوں صورتیں حقیقتِ علم کے خلاف ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت چونکہ ایک غیر اخلاقی اور غیر علمی طرزِ عمل ہے اس لئے وہ صرف باقبل اسلام کے عرب ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ ہر مذہب و تہذیب میں پائی جاسکتی ہے، اور ہر دور و دیار میں اسے دیکھا جاسکتا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی!

ان کا کہنا ہے کہ اسلام سے پہلے جاہلیت عامہ کا وجود تھا اور دنیا جہالت کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی لیکن جب بوقبیس اور فاران کی اوٹ سے صبحِ سعادت طلوع ہوئی اور علم کا آفتاب غارِ حرا سے نکل کر چلا تو دنیا سے جہالت کا وجود مٹ گیا، اور اعلانِ کردیا گیا کہ اب دنیا میں جہالت اپنی اصل شکل میں کبھی ظاہر نہیں ہو سکتی کیونکہ قیامِ قیامت تک علم و حق کا ایک جانثار گروہ موجود رہے گا، لا تمنا من امتی طائفۃ ظاہرین علی الحق الی قیام الساعة۔

مغضوب قہموں کی سرزمین بھی مغضوب

[ایمنت اللہ ہے کہ خدا کے محبوب بندوں کی ہر شے خدا کو محبوب اور مغضوب قوموں کی ہر چیز ایسے مغضوب ہوتی ہے، مسجد اقصیٰ کی زمین انبیاء کی سرزمین رہی ہے، اس لئے اسے قبلہ اولیٰ بنایا گیا اور ”بَارِکْنَا حَوْلَهُ“ کا خطاب دیا گیا، حضرت ابراہیمؑ کی پوری حیات بابرکات ہے، جس طرح انھیں قبول عام و بقاء سے دوام کی نعمت ملی ویسے ہی ان کی ہر یاد کو یادگار بنا دیا گیا، خانہ کعبہ کو بیت مبارک کہا گیا مکہ المکرمہ کو البلد المحرام، اور مبارک بتایا گیا، ”وادیٰ غیور ذی زرع“ کو ظاہری اور باطنی دونوں طرح خیرات و برکات، فتوحات و کرامات کا گہوارہ بنا دیا گیا۔

بہارِ عالم خشنش دل و جاں تازہ می دارد

برنگِ رباب صورتِ ربابہ بوی صبا ب معنی را

ظاہری طور پر تو یہ کہ اس نشورہ بوم، کو گل و گلزار بنا دیا گیا طائف کو جنت نشان کر دیا گیا، عینہ طیبہ سرسبز و شاداب ہوا، زمزم کا چشمہ فیض جاری ہو گیا، اور آج زیرِ سرخ و سیاہ سے اسے مالا مال کر ڈالا گیا، ایک بڑی نعمت حرمین شریفین پر یہ بھی رہی ہے کہ اسلام کے بعد بلکہ پہلے بھی غیر عربی قوم کا اس پر کبھی پورا تسلط نہیں ہوا اور ترکاں اور اترنے اس سرزمین حریت سے رشتہ جوڑا تو حکومت سے زیادہ خدمت و اطاعت کا سلطانِ معظم اپنے کو خادمِ احرارین ہی کہتے رہے۔
تاتاری اور صلیبی حملوں کا سیل بلا خیز بارہا عالم اسلام کے سر سے گزر گیا

۲۵

لیکن اس مقدس اور عظیم خطہ کی طرف کسی کوتاہی کی ہمت نہیں ہوئی۔
 اور باطنی انعام و اکرام کا توازنہ بھی دائرہ خیال سے باہر ہے، حضرت
 ابراہیمؑ سے پہلے بھی یہ سرزمین انبیاء کی سرزمین اور دولت الہام و ہدایت کی امین
 رہی ہے، اور حضرت ابراہیمؑ کے بعد تو خاص طور پر یہ خطہ رشد و صلاح اور خیر و فلاح
 کا گہوارہ اور روشنی کا منارہ رہا ہے، آخری نبیؐ ہیں آئے جنہوں نے تاریخ نبوتؐ
 و رسالت کی از سر نو بازیافت اور انسانیت کی متاعِ گم گشتہ کو بارگاہِ دریافت کیا،
 آخری اور کامل دین ہمیں سے پھیلا جس نے دین و شریعت کا صحیح معیار قائم کیا،
 اور جس نے دین و دنیا کو ہم کر کے بیمار انسانیت کو ایک نسخہٴ کیمیا عطا کیا، اسی
 کہسار کی وادیوں میں ۲۳ سال تک وہ صحیفہٴ انسانیت اترتا رہا، جس نے کتب خانہٴ
 عالم کی لاج رکھ لی اور جس نے گم شدہ سیاحوں اور قدروں کا تعارف دنیائے
 از سر نو کرایا۔

ہمیں سے ملت مرحومہ اور امتِ وسط نے اپنی مہمات (Mission)
 کا آغاز کر کے بین الاقوامی انسانیت اور حریت و مساوات کا علم بلند کیا اور نوحہٴ انسانی
 کے لئے عظمت و قدرت کا نیا میسار قائم کر دکھایا، جو مغرب و مشرق کی قوموں کا
 خونِ شوق بنی لیکن وہ خود غفلتِ روزگار کبھی نہیں بن کر رہی اور نہ اس نے انسانیت
 کا استحصال کیا جو مغرب کے تسلط کے بعد اکثر اہمال اور غفلتِ بحال رہی ہے لیکن اس نے
 دنیا کو اپنی منہوی قندوں سے ہمیشہ لالچال اور خوش حال رکھا ہے۔

سب کا تو مدد و اگر ڈالا اپنا ہی مدد و اگر نہ کیے
 سب چاک گریباں بل ڈالے اپنا ہی گریباں ہو گئے (عجاز)

بات یہاں سے چلی تھی کہ خدا کی نفرت و محبت بھی عقیق اور ابدی ہوتی ہیں اللہ
ان دونوں کا پیمانہ بھی خدائی صفات کے بقدر وسیع ہوتا ہے۔]

ابن تیمیہؒ نے صحیحین سے ابن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے کہ ایک سفر میں
حضورؐ کو اصحابؓ کے ساتھ نمود کی سرزمین حجر میں اترا پڑا چنانچہ لوگوں نے
مجبوراً وہاں کے کنوؤں سے پانی پیا اور آٹا وغیرہ گوندھا حضورؐ کو جب معلوم ہوا تو
آپؐ نے حکم دیا کہ جو پانی باقی ہے اسے بہا دیا جائے، اور وہ آٹا اونٹوں کو کھلا دیا جائے
اور پھر انھیں دوسرے کنوئیں سے پانی بھرنے کا حکم دیا۔

اور حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حجر سے گزرتے ہوئے فرمایا،
لا تَدْخُلُوا عَلٰی هٰذِهِ الْمَعْدِنِ اِنَّ تَكُونُوا بِاَكْبَنَ فَاَنْتُمْ تَكُونُوا
بَاَكْبَنَ فَلَا تَدْخُلُوا عَلٰیهِمْ اِنْ يَصِيبُكُمْ مَا اَصَابَهُمْ اِنَّ مَعْدِنَ لَوْ كُنُوْا
عَلٰقَةً سَرَوْتُمْ هُوَ غَدْرٌ وَدَرَنٌ مَّتْ غَدْرٌ وَاِسْ لَّئِنْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ تَكُونُوا
بِهٰذَا كَيْفَ يَكْتَسِبُ، ابن تیمیہؒ گذشتہ حدیث کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ وہ غزوہ تبوک
سے واپسی کا موقع تھا اور تنگی کا یہ حال تھا کہ اسے غزوة العسرة کہا جاتا ہے،
لیکن اس حالت اضطراب میں بھی انھیں اپنی ندق کفایت بھی لاونٹوں کو دیدینے کا
حکم ہوا۔

ایسی ہی دوسری حدیث میں ان قوموں کے ویرانوں میں نماز پڑھنے سے
منع کیا گیا، ابو داؤد نے الوصالح غفاری کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ ایک بار
سے واضح ہے کہ صفات باری میں غضب و محبت اور دوسرے جذبات کا بیان ہوتا ہے وہ آثار و
انفعالی نہیں ہوتا بلکہ ان کا مشاہدہ ان کے افعال ہوتے ہیں۔ (کش)

بابل سے گزرنے تو جب باہر نکل آئے تب نماز پڑھائی اور نماز کے بعد فرمایا میرے حبیب نے مقبرہ میں نماز سے منع کیا ہے اور ارض بابل کی لعنت کی وجہ سے وہاں بھی نماز سے روکا ہے۔

امام احمد نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اور ان جگہوں میں نماز کو مکروہ کہا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث کے مفہوم کی وہ آیت مطابقت کرتی ہے جس میں آپ کو مسجد ضرار میں آنے سے منع کیا گیا کہ لا تقم فیہ ابداً (۱۸۸) مسجد ضرار کو جہنم اساس قرار دیا گیا تھا اسی لئے جب اسے ٹھالیگا تو اس سے دھواں نکلا۔

اسی کے مقابل رحمت کے مقامات پر نماز مستحب قرار پائی جیسے مسجد ثلثہ اور مسجد قبا وغیرہ میں کہ وہاں ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے۔

تشبہ کی کچھ صورتیں!

تشبہ کی بنیادی حدیث ابو داؤد نے ابن عمرؓ کی روایت سے لکھی ہے، "من تشبہ بقوم فهو منهم" اس میں ابن ابی شیبہ، ابو نصر، حسان بن عطیہ ایسے مشاہیر ہیں جن کے بارے میں ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ اس سے کہیں بلند ہیں کہ انہیں صحیحین کے رجال کے طور پر جانا جائے۔ اس کی سند کو قوی بتاتے ہوئے انھوں نے کہا ہے کہ اس حدیث کی رو سے کم از کم تشبہ حرام ٹھہرتا ہے، درجہ جلالہ بن عمروؓ تو اس سے کھڑے ہیں، من بنی بارضی، المشرکین وضع ینروزہم و منہم و منہم و تشبہ بہم حتی یموت، حشر، معہم یوم القیامۃ۔ (جو مشرکین کے درمیان

دینا اہل ان کی حد نہ روز اور تو دارنا کہ ہے اہل ان کی صورت اختیار کرتے ہے اور
متر ہے تو قیامت کے دن انہی کے ساتھ اٹھایا جائے گا، اس کی تاویل یہ ہے کہ
اگر مشابہت مطلق ہو تو یہ حکم ہے یا پھر مشابہت جس درجہ کی ہو گی ویسا ہی حکم ہوگا
پھر تشبیہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی قوم کے کسی فعل کی اس لئے متابعت
کی جائے کہ وہ ان کا فعل ہے یا کسی اپنے ذاتی مقصد کے لئے کسی غیر کی پیروی
کی جائے۔ ایک صورت اور یہ ہے کہ مسلمان کا عمل غیر شعوری طور پر کسی اہل کے
مشابہ ہو جائے تو اس مشابہت میں کلام ہے، لیکن منع اس سے بھی کیا جائے گا
تاکہ یہ تشبیہ کا ذریعہ نہ بن جائے، اس لئے کہ حدیث میں غیر موجود سے بھی مشابہت
سے روکا گیا جیسے احمق و حمیرہ کا حکم۔

قاضی ابویٰ نے ابن جریر سے روایت کی ہے: "وَأَنَّ نَهْيَ عَنِ التَّشْبِيهِ
بِالْأَعَاجِمِ وَقَالَ مَنْ تَشَبَّاهُمْ فَهُمْ مِنْهُمْ" (آپ نے محکم کی مشابہت
سے روکا اور فرمایا جو کسی قوم جیسا بنتا ہے وہ انہی میں سے ہوتا ہے)
محمد بن عرب کہتے ہیں امام احمد سے سند صحیح جوتے کے بارے میں پوچھا گیا
تو مرحمت دونوں کے لئے ناپسند فرماتے ہوئے کہا اگر وضو اور بیت اخلاص
کے لئے ہو تو درست ہے۔

سعد بن عامر سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا کہ سننے نبینا
أَحِبُّ الْإِسْلَامَ مِنْ سُنَّةِ الْبَاكِهِنَّ (ہمارے نبی کی سنت باکھن راجہ کی سنت
کے مقابلے میں ہمیں زیادہ پسند ہے)

مروزی کی روایت میں ہے کہ ان سے سند صحیح جوتے کے لئے پوچھا گیا تو فرمایا

میں تو اسے پہنتا نہیں (یعنی پسند نہیں کرتا) ہاں کچھ عداوت و بغاوت سے بچنے کے لئے ہو تو اسے جائز سمجھتا ہوں، لیکن زینت کے لئے اسے جائز نہیں کہتا، کسی دروازے پر آپ نے سندھی جوتے دیکھے تو فرمایا کہ اب ہم بھی اولادِ ملک کی پیروی کرنے لگے، عرب کرانی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے ان مضبوط جوتوں کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ سندھی جوتے وضو یا مسیت اخلا یا کسی ضرورت کے لئے ہوں تو جائز ہیں، ایسے ہی لکڑی کے کھڑاؤں کو آپ نے ضرورۃً جائز بتایا۔

ابن مبارک سے کرانی جوتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: یہ ہمارے سادے جوتے کیا کم ہیں؟ سعید بن عامر سے سستی جوتوں کے بارے میں معلوم کیا گیا تو فرمایا کہ نبی کی سنت، ملک ہند کی سنت سے زیادہ پسند ہے، اگر یہ جوتے مسجد نبوی میں ہوں تو انھیں مدینہ سے باہر پھینک دو اور یہ سعید بن عامر اس پایہ کے شخص ہیں کہ ابن تیمیہ انھیں اہل بصرہ کا علمی اور دینی امام کہتے ہیں اور امام احمد کے شیوخ میں سے ہیں، یحییٰ بن سعید القطان کی مجلس میں ان کا ذکر آیا تو فرمایا وہ ۴۰ سال سے اہل بصرہ کے شیخ ہیں، مسعود بن الفرات کہتے ہیں، میں نے بصرہ میں سعید بن عامر کا ثانی نہیں دیکھا، میمون کہتے ہیں میں نے امام احمد کو شلہ ٹھوڑی کے نیچے باندھے دیکھا وہ اس ہیئت کے علاوہ عمامہ کو مکروہ سمجھتے، اور کہتے تھے: "العراب حدائثھا تحت اذقانھا" حسن بن محمد کی روایت میں امام احمد تالو کے نیچے عمامہ کے شلے کو ناپسند کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ ایسا یہود و نصاریٰ اور مجوس کرتے ہیں، وہ اپنے عہد کے (جباسی) ظالمین کا سیاہ سرکاری لباس بھی پہننا مکروہ سمجھتے تھے، وہ نماز میں آنکھیں بند رکھنے کو یہود کا فعل قرار دیتے تھے۔

تشبیہ کی چند اور احادیث

عمر بنی ثعلبہ سے ترمذی کی روایت ہے، لیس منامی تشبہ بغیرنا
لا تشبہوا بالیہود ولا بالنصارى فان تسلیم الیہود والاشارۃ
بالاصابع وتسلیم النصارى: الاشارۃ بلا کف (جو غیروں کی مشابہت
اختیار کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے، یہود و نصاریٰ سے مشابہت نہ کرو یہود
کا سلام انگلیوں کے اشارے سے اور نصاریٰ کا ہاتھ کے اشارے سے ہوتا ہے)
ابن تیمیہ کہتے ہیں، اس کی سند میں ابن سیرین ہیں لیکن امام احمد وغیرہ انہیں قابل
استنباط سمجھتے ہیں، ابو داؤد میں رکاوٹ کی حدیث میں ہے مشرکین اور ہمارے درمیان
فرق ٹوٹی پر عمامہ باندھنے میں ہے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں، جب حضورؐ نے عاشورہ کا روزہ رکھا تو لوگوں نے کہا کہ اس دن کو تو یہودیوں کا نصاریٰ بھی بڑا سمجھتے ہیں، آپؐ نے فرمایا، آئندہ سال نویں کو بھی روزہ رکھیں گے، مسلم امام احمدؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، صوموا یوم عاشوراء وخالفوا قیام الیہود و صوموا یوما قبلہ ویوما بعدہ۔ عاشورہ کا روزہ رکھو اور یہودی کی مخالفت ایک دن آگے اور پچھے، مزید روزہ رکھ کر کرو۔ بخاری و مسلم میں حضرت عمرؓ کی روایت میں ہے، انا امامۃ امینۃ لا نکتب ولا نعبد الا للہ وحده کذا کذا۔

۱۔ ہاتھ بڑا کر سلام کرنے کا جو طریقہ ہندوستان میں رائج ہو رہا ہے، وہ بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ مترجم ۲۔ یہ حکم اس دور کا دور ہے، عام آدمی کے لئے تھا، اس سے حساب کتاب کی مخالفت سے کوئی تعلق نہیں۔ مترجم

(۴) امی امت ہیں، حساب کتاب نہیں جانتے مہینہ کبھی ۲۹ کا ہوتا ہے اور کبھی ۳۰ کا۔
 اس حدیث میں آپ نے حساب کتاب کو دوسری قوموں کا شمار قرار دیا اور
 اپنے اوقات کا مدار رویت پر رکھا اسی لئے دوسری حدیث میں فرمایا: ”صوموا من
 الوقت“ وافر الوقت ”دوسری روایت میں ہے: ”صوموا من الوضع
 الى الوضع“ چاند چاند تک روزہ رکھو۔۔۔۔۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں علماء کا اس پر
 اجماع ہے کہ عجمی تصور کے خلاف مسلمانوں کے اوقات کا تعیین رویت اور مشاہدہ
 سے ہے، (حدیث کا منشا حساب کتاب کی مخالفت نہیں، اس لئے کہ قرض وغیرہ
 کا حساب لکھنے کی تاکید تو خود قرآن میں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام دین
 فطرت ہے اس لئے اس میں دقیق حسابات اور فلکیات و انبیات پر اعتماد ختم
 کرنے کی کوشش کی گئی، اور شریعت میں عوام کی خاصی رعایت رکھی گئی۔۔۔۔۔
 تاکہ قیاس اور اندازہ سے الگ رہ کر رویت و مشاہدہ پر اعتماد کیا جائے، چاند کی
 رویت پر حساب رکھنے میں جو فائدے ہیں، اس کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے
 ابن عابدین نے رد المحتار میں علامہ ابن دقیق العید کا قول اس باب میں نقل کیا
 ہے۔ مترجم)۔ صحیحین میں حمید بن عبد الرحمن بن عوفؓ کی روایت ہے کہ میں نے
 حضرت معاویہؓ کو منبر پر ہاتھ میں بال لئے ہوئے دیکھا کہ آپ فرما رہے تھے
 اے اہل مدینہ تمہارے علماء کہاں ہیں، میں نے حضورؐ کو اس سے منع فرماتے اور کہتے
 سنائے کہ نبی اسرائیل اسی لئے ہلاک ہوئے کہ ان کی عورتوں نے مصنوعی بال استعمال
 کرنا شروع کئے تھے، یحییٰ بن سعیدؓ نے بھی حضرت معاویہؓ سے دوسرے الفاظ
 میں روایت کی ہے۔

ابن عمرؓ کی حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جب کسی کے پاس ایک ہی کپڑا ہو تو اسے ازار بنا کر نماز پڑھے دونوں حصوں کو چادر کی طرح مہینا کرے کہ یہ یہود و کاشیہ وہ ہے۔ (البوداؤد)

زہد خشک، رہبانیت ہے

[اسلام عدل و اعتدال کا مذہب ہے گزشتہ مذاہب میں یہودیت، افراط اور عیسائیت، تقریط کی طرف، اٹل تھی ہندو مذہب میں بھی انسان کو ہر لباس میں تنگ و جوڑ مانا گیا اور بدھ مت میں بھی زندگی سے کوئی خاص اعتنا نہیں کیا گیا، اور موت کو غم ستی کا علاج کہا گیا، غرض کوئی مذہب نہیں جس نے زندگی کو اس کا حق دیا ہو مگر آخرت کی حق تکفیی نہ کی ہو، یا دین کے لئے ترک دنیا کی تعلیم نہ دی ہو عبادت کا کمال، اور ریاضت کی معراج یہی سمجھی گئی کہ جسم کی ہر طرح نفی کی جائے اسے ہر لذت سے محروم رکھا جائے، اور اسکا جائز حق بھی نہ دیا جائے، اس لئے کہ جسم و روح کا اجتماع محال ہے، ایک کی زندگی دوسرے کی موت اور ایک کی ناکامی دوسرے کی کامرانی ہے، یہودیت و عیسائیت اور ہندو مت میں جس جس طرح سے جسم کو عذاب میں ہلکان کیا گیا اور اس سے نروان اور نجات کی توقع کی گئی وہ انسانی انتہا پسندیوں کا افسوسناک باب ہے، اسلام نے بھی عبادت و ریاضت پر بندوبست دیا، لیکن وہیں تک جہاں تک کہ تزکیہ نفس، اصلاح باطن، اور قلب و روح کے لئے اس کی ضرورت تھی، اسلام میں جسم و روح، قلب و قالب، اور نفس و بدن میں تضاد نہیں سمجھا گیا، بلکہ جسم کو روح کے تابع اور ماتحت بنا کر

لے روح کا ضخیم تگملہ اور اس کا آلہ بنا دیا گیا۔

جہاں جسم کے جائز مطالبات و حقوق کی پامالی ہوئی وہاں اسلام نے روک لگا دی، اسلام زندگی کا مذہب ہے وہ ایک طرز حیات ہے، اس لئے اس نے جسم کی حق تلفی کو بھی مقصد نہیں بنایا، بلکہ اس کی پرورش و پرداخت، حفاظت و نگہداشت کی ترغیب دی اور اس کے لئے ابھارا، قرآن کی تعلیم کہ اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو، یا یہ کہ کھاؤ پیو لیکن اسراف نہ کرو، یا نکاح کو مودت و رحمت، اور سکون و سکینت کہنایا جانوروں تک کے جسم میں کاٹ چھانٹ کو خدائی تخلیق میں دخل اندازی قرار دینا یا احادیث میں مثلہ سے منع کرنا، مصنوعی بالوں کا استعمال، عورتوں کا مردوں سے اور مردوں کا عورتوں سے تشبیہ عورتوں کا گونا گونا گونا، چہرے کی آرائش کے لئے خال و خط بنانا، حسن کے لئے وائٹوں کے بیچ میں فصل ڈالنا، مردوں کا گیسو سنوارنا اور سر کے کچھلے بال کتر واکر بابر بنانا، ساڑیوں کو داغ کر چھوڑنا، یا آگ سے داغنے سے روکنا یہ سب اسی لئے ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی شکل میں تبدیلی آتی ہے اور خود حیوانی یا انسانی جسم کی توہین ہوتی ہے، حدیث میں صاف صاف تعلیم دی گئی کہ انسان کا جسم بھی اس کی روح کی طرح اس کے ہاتھوں میں خدا کی امانت، اس کی حفاظت کرنا اور اس کا حق ادا کرنا بھی عبادت ہے، آپ نے فرمایا کہ تمہارے بدن کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا تم پر حق ہے تمہارے مہمان اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے، خسی ہونے سے روکنا، اور رہبانیت سے منع کرنا نفس و زندگی کی حفاظت ہی کے لئے ہے۔ ————— مترجم [

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ ایمان بالرسول کا مطلب یہی ہے کہ آدمی عادت

اور عبادت میں غلو سے کام نہ لے گا اور اپنی باگ شریعت کے ہاتھوں میں ریدے گا،
 ابو داؤد نے حضرت انسؓ کی روایت نقل کی ہے حضورؐ نے فرمایا: لا تشددوا علی
 انفسکم فیئسد علیکم فان قومًا شددوا علی انفسہم فشدّ اللہ
 علیہم فملا بقایاہم فی الصوامع والدیارات رُعبًا یبئس (بتدعوہا
 ما کُتبتا علیہم) (اپنے پرستی نہ کرو کہ تم پر سختی کی جائے ایک قوم نے ایسا کیا تو
 اللہ نے بھی ان کے ساتھ سختی کی اور گروں، کلیں میں انہی کے جانشین ہیں) سہل او
 ان کے والد ابو امیہؓ نے حضرت انسؓ کو بہت ہلکی نماز پڑھنے دیکھا تو حیرت سے
 ان سے پوچھا آپ نے مسافر کی یا نفل نماز تو نہیں پڑھی، انہوں نے فرمایا نہیں،
 یہ فرض نماز تھی، حضورؐ بھی ایسی ہی پڑھتے تھے اور پھر آپؐ نے مذکورہ بالا حدیث نقل کی
 صحیحین میں انہی کی روایت ہے: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوجز
 الصلوۃ ویکملہا (حضورؐ مختصر لیکن کمال کے ساتھ نماز پڑھتے تھے) نیز صحیحین
 میں حضرت انسؓ ہی کی روایت ہے: ما صلیت وراء امام قط اخص صلوۃ
 ولا اتم من صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (میں نے آنحضرتؐ کے سوا
 کسی امام کے پیچھے اتنی ہلکی لیکن شرائط و آداب کی جامع نماز نہیں پڑھی) بخاری
 کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ حضورؐ اگر بچے کے رونے کی آواز سنتے تو اس کی
 مال کے خیال سے نماز اور مختصر فرمادیتے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جیسے دوسرے
 کاموں کے خیال اور ضروریات کی رعایت سے نماز میں تخفیف کی جانا چاہئے
 اور ایسا کرنا اچھا ہے، خوارج کے بارے میں حضورؐ نے پیشگوئی کی تھی کہ ان کی نمازیں
 ریاکاری کے سبب اتنی طویل ہوں گی کہ لوگ اپنی عبادت کو ان کے مقابلے پر حقیر

سمجھیں گے۔

حضرت علیؑ نے جب بصرے میں نماز پڑھی تو عمران بن حصینؓ نے فرمایا، اس نماز نے مجھے حضورؐ کی نماز کی یاد تازہ کر دی، وہ قیام و قعود مختصر لیکن رکوع و سجود طویل کرتے تھے، «بوداؤ و نساکی میں سعید بن جبیرؓ کا قول ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے تھے، آنحضرتؐ جیسی نماز اس جوان (عمر بن عبد العزیزؓ) کے سوا کسی امام کے پیچھے پڑھنے میں نہیں آئی۔ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ فجر میں عموماً ۶۰ سے ۱۰۰ آیتوں تک پڑھتے تھے، اس لئے اس کی تاویل یہ ہے کہ اگر نمازی فارغ معلوم ہوتے یا قرأت میں راضی ہوتے تو آپؐ طول فرماتے ورنہ اختصار فرماتے تھے شیخ الاسلامؒ یہاں ایک دقیق نکتہ یہ بیان کرتے ہیں کہ نماز میں طول و اختصار بھی عرف پر مبنی نہیں ورنہ ہر عصر و مصر اور ہر محلہ کی مسجد کا عرف الگ ہوتا عرف کا اعتبار عادات میں ہوتا ہے، عبادات میں نہیں، اسی لئے آنحضرتؐ نے تخفیف و اتمام دونوں کے حدود بتلا دئے اور فرمایا، «انما فعلت هذا لتمامي ولا لتعلموا صلاتي» میں نے ایسا اس لئے کیا کہ تم میری اتباع کرو اور میری نماز جان لو۔

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ نفس پر بے جا سختی کی وجہ سے شریعت اور تقدیر دونوں میں اللہ تعالیٰ سختی فرماتے ہیں، شرعاً اس طور پر کہ آنحضرتؐ سخت ایجاب و تحریم سے ڈرتے رہتے تھے، جیسے تراویح کی فرضیت (سواک کی فرضیت) اور پڑوسی کو شامل میراث کرنے کی فرضیت وغیرہ اور تقدیری طور پر یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو اس کی سختی کی وجہ سے عاجز بنا دیتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ شریعت تو سہولت کے لئے ہے نہ کہ مصیبت کے لئے، وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ

وَالْأَعْلَالِ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (۱۵۷)

اسلام میں ترکِ دنیا نہیں

[دنیا میں جو سب سے بڑا جھوٹ بولا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام دنیا سے گریزاں اور ترکِ دنیا کا حامی ہے حالانکہ اسلامی تعلیم کا مطلب صرف اتنا ہے کہ دنیا کو مقصود نہ بنایا جائے بلکہ اسے وسیلہ قرار دیا جائے ایک بڑے اور آخری مقصد کے لئے، دنیا زندگی کی وہ ناگزیر راہ ہے جس پر چل کر ہی منزلِ آخر تک رسائی ممکن ہے، دنیا کھیتی ہے اور آخرت کی جزا و سزا اس کا حاصل! اس لئے مومن کو پیش نظر صورت نہیں، حقیقت کو رکھنا چاہئے، اولیٰ بیا درست بہ کار“ رومی کہتے ہیں دنیا خدا سے غافل ہونا ہے، قماش و معاش، اور تعلقِ فرزند و زن نہیں۔ خدا کی راہ میں دنیا اگر حائل نہیں تو وہ عینِ دین ہے، حضورؐ نے فرمایا ”جو بیوی تمہارے تقویٰ کے لئے مددگار ہو وہ دنیا سے نہیں“۔ آخری بات یہ کہ اسلام کی تعلیم ترکِ دنیا کی نہیں بلکہ اسی ترک کے ترک کی ہے، تصوف میں جس ترک و توکل اور تجرد کی تعلیم ہے جس کے ترجمان نے کہا ہے،

ترکِ دنیا ترکِ عقیقہ، ترکِ سر در طریقِ عشقِ اولیٰ منزل است

اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ دل کا تعلق ماسوا اللہ اور غیر اللہ سے قائم رکھنے کا جواز نہیں [میں] صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ۳ آدمیوں نے ازواجِ نبیؐ سے ان کی عبادت کا حال سن کر یہ عہد کیا کہ ان میں سے ایک ہمیشہ روزے رکھے گا، دوسرے نے کہا میں نماز ہی پڑھتا رہوں گا، تیسرے نے کہا میں

۴۷

کبھی نکاح نہیں کروں گا، آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے ان سے کہا کیا تم نے ایسا ایسا کہا ہے؟ خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ منفی ہوں اور خدا سے ڈرتا ہوں لیکن روزہ کے ساتھ افطار بھی کرتا ہوں، نمازوں کے ساتھ آرام بھی کرتا ہوں اور نکاح بیاہ بھی۔ جو میری سنت چھوڑتا ہے وہ مجھ سے نہیں (مسلم) ایسے ہی کچھ لوگوں نے ازدواج سے آنحضرتؐ کے مبارک احوال سن کر عہد کیا کہ گوشت نہیں کھائیں گے بعض نے کہا بستر پر نہیں سوئیں گے، آپؐ کو علم ہوا تو آپؐ نے وہی جملے ارشاد فرمائے۔

ابوداؤد میں ابوالامہؓ کی روایت ہے کہ ایک صاحب نے آپؐ سے حیات کی اجازت چاہی تو فرمایا، میری امت کی سیروسیاحت الشکر کے راستے میں بہاد ہے دوسری حدیث میں کہا گیا، "ان السیاحۃ: ہی الصیام"، کسی میں کہا گیا روزہ اُ ہی سائیکل ہیں؟

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں سیاحت کے معنی بے مقصد لغت و سفر کے ہیں جو اس امت کے شایانِ شان نہیں اسی لئے امام احمدؒ نے فرمایا، لیست السیاحۃ من الاسلام فی شیء" (سیاحت کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں) اور نہ نبیوں اور صالح بندوں کا یہ شیوہ)۔

قرآن میں سیر فی الارض کی تعلیم عبرت و بصیرت کے لئے آئی ہے، اس لئے بے مقصد سیاحت گویا یہود و نصاریٰ اور دوسری قوموں کا وطیرہ ہے [شیخ الاسلامؒ] یہ بات آج سے ساٹھ سو سال پہلے لکھ رہے ہیں، مگر آج تو مغرب کا یہ بے مقصد سفر Tourism کی ایک مستقل اصطلاح بن گیا ہے، اور مغرب کے زیر اثر مشرقی ملکوں

میں بھی محض آمدنی اور سیر و تفریح کے لئے محکمہ سیاحت قائم ہے، مغرب نے علم و ادب، تہذیب و ثقافت، صنعت و حرفت، زندگی کے ہر گوشے میں بے مقصد پیدا کی خصوصاً سیاسی اور فلسفیانہ سطح پر یہودیوں نے جو فتنویت اور انارکی اور انتشار پھیلایا ہے وہ تاریخ کا عبرتناک باب ہے، FREE MASON کی تحریک عالمی سیاسیات میں بے مقصدیت اور تعطل ہی پیدا کرنے کے لئے وجود میں آئی تھی، ادب برائے ادب کی مغربی تحریک نے بھی ہر زبان کو بے مقصدیت کا شکار بنا کر رکھ دیا اور شاں پال سارتر کی "وجودیت" اور عصر حاضر کی تجدیدیت نے بھی بے مقصدیت کو اپنا بڑا مقصد بنا لیا ہے — مترجم [

غلو فی الدین کی بدعت

[دیہاتی مثل ہے کہ زیادہ مٹھاس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں، ایسے ہی ہر چیز میں افراط اس کی افادیت ختم کر دیتی ہے، اسلام جو اعتدال (وسط و صفت) کا مذہب ہے، اور جو اسی مقصد کے لئے وجود میں آیا تھا تاکہ دنیا میں پھیلی ہوئی افراط فری دور کرے اس نے شروع ہی سے اس نکتہ پر دھیان دیا، حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ جھک کر چل رہا ہے، لوگوں نے کہا کہ یہ تو اضنا ایسا کرتا ہے تو حضرت عمرؓ نے درے سے اس کی خبر لی اور فرمایا سیدھی طرح چلو کہ تقویٰ اس کا نام نہیں، نمازیں کوئی خشوع و خضوع کے لئے سر جھکا کرے کھڑا ہوتا ہے، تو فقہاء نے اسے مکروہ کہا ہے، اسی طرح سفر میں روزے اور نمازیں قصر کی سہولت سے فائدہ نہ اٹھانا بھی دین میں غلو ہے، یہ چند مثالیں ہیں، ورنہ غلو دین کے ہر مسئلے میں

پایا جاسکتا ہے۔ مترجم [آنحضرت نے فرمایا: ایاکم والغلوفی الدین علما اھلک
من کان قبلکم والغلوفی الدین؟ (احمد نسائی ابن ماجہ) (غلوفی الدین سے بچو اس لئے کہ
اسی نے اگلی امتوں کو ہلاک کیا تھا) ابن تیمیہ فرماتے ہیں غلو اعتقادات و اعمال سب میں پایا
جاسکتا ہے اور اس معاملہ میں نصاریٰ سب سے بڑھے ہوئے ہیں اس لئے قرآن نے انہی کو
مخاطب کیا تھ: اَھْلَ الْکِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ (۴: ۱۷۱) (اے اہل کتاب اپنے دین
میں غلو نہ کرو) مذکورہ بالا حدیثی جملے آپ نے اس وقت فرمائے جب آپ نے جبر و عقبتہ کے
وقت منکریاں ہاتھ میں لے رکھی تھیں اور فرما رہے تھے۔ امثال هؤلاء فارما۔
یعنی ان جیسی چھوٹی منکریوں سے شیطان کو مارو۔ آپ کا اندیشہ صحیح تھا بعد میں لوگوں
نے جبر پر بڑے پتھروں، جوتوں اور چھڑیوں سے مارنا شروع کیا، آج کل موسم حج میں
شیطان پر اس غصہ کے مظاہر دیکھے جاسکتے ہیں۔

حدود و تعزیرات میں مشابہت

اہل کتاب یا غیر مسلمین سے مشابہت کا ایک رُخ یہ بھی ہے کہ سزائوں میں اور
قانون کی نگاہ میں بھی امیر و غریب کا فرق کیا جائے اور غریبوں کو انصاف نہ مل سکے صحیحین
میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب ایک مخزومی عورت کی چوری پر حضرت اسامہؓ
نے آنحضرت سے سفارش کی تو آپ نے نہایت جرجلا لہ انداز میں فرمایا: یا اسامہ! انشع
فی حد من حدود اللہ تعالیٰ؟ انما اھلک بنو اسرائیل انھم کانوا اذا سرق فھم

لہ حضرت ابن عمرؓ دعائیں غلو بھی ناپند فرماتے تھے اسی سے دوسری عبادات میں بھی غلو کا قیاس کیا جاسکتا
ہے جو دین کے نام پر دنیا کے جائز و ناجائز کو غافل بنا دے۔ مترجم۔

الشریف ترکوا، واذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد والذخني بيده
 ولان فاطمة بنت محمد سرققت لقطعت يدها" (اسامہ اہم حدود الشہ کے
 بارے میں بھی سفارش کرتے ہوئے اسرائیل اسی لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان کا کوئی
 شریف چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے لیکن ضعیف پر حد قائم کرتے، اس ذات کی قسم
 جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ
 کاٹتا)۔ صحیحین میں براہین عارضہ کی روایت ہے کہ آپ نے ایک سزا یافتہ یہودی
 کو دیکھا تو یہودیوں کو بلا کر پوچھا کہ کیا تم زانی کی حد اپنی کتاب میں پاتے ہو؟ انھوں نے
 اثبات میں جواب دیا تو آپ نے ان کے ایک عالم کو بلا کر قسم دی کہ کیا یہ سزائورات میں
 ہے؟ اس نے کہا آپ نے قسم دی ہے، اس لئے کہتا ہوں کہ زانی کی سزا ہمارے ہاں ہے
 لیکن جب وہ ہمارے اشراف کے طبقہ میں پھیل گیا تو ہم نے ان کی رعایت میں اس پر
 حلد راند ختم کر دیا، البتہ متعاقب پر اسے جاری رکھا، اور پھر داغنے اور کوڑا مارنے کا
 حکم بنا ڈالا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اے خدا میں پہلا شخص ہوں جو تیری امر و نہی
 کو زندہ کرتا ہے، اس کے بعد آپ نے حد جاری فرمائی۔

مزاروں پر حاضری میں مشابہت

مسلم میں جندب بن عبداللہ اہلبلی کی روایت ہے میں نے حضور کے وصال سے
 پہلے ۵ چیزیں سنی ہیں ایک یہ کہ میں برکت کرتا ہوں کہ تم میں سے کسی کو دوست بناؤں
 کیونکہ اللہ نے مجھے اپنی دوستی سے نوازا ہے جیسا کہ ابراہیم خلیل کو شرف بخشا تھا، اگر میں
 دوست بنانا تو ابوبکر کو دوست بناتا، تم سے پہلی امتیں دنیا اور صاحبین کی قبروں کو درگاہ

اور مسجد بنالیتی تھیں تم ایسا نہ کرنا۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہود و نصاریٰ کے اس عمل پر لعنت فرمائی۔ قاتل ائدہ الیہود و النصاری اتحدوا قبورا بنیا تم مساجد، مسلم میں لعن ائدہ الیہود و النصاری کے الفاظ ہیں، صحیحین میں حضرت عائشہؓ و ابن عباسؓ کی روایت میں بھی یہی کہا گیا اور صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ جیسوڑ سے حبشہ کے ایک گرجا مار یہ کا ذکر کرتی تھیں کہ اس میں تصاویر تھیں آپ نے سن کر فرمایا کہ جب ان کا کوئی نیک آدمی مرتا ہے تو وہ اس پر گرجا تعمیر کرتے ہیں، اور اس میں تصویریں بناتے ہیں یہ خدا کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔

ابو بعلیٰ امویؓ کہتے ہیں کہ حضرت حسنؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مرتد نبویؐ کی جانی پر پابندی سے حاضر ہو کر دعا مانگتا تھا تو اسے آپ نے منع کیا اور یہ حدیث سنائی کہ میری قبر کو زیارت گاہ مت بنانا، تمہارا اسلام مجھے ہر جگہ سے کیساں پہنچتا؟ (فان نسلیا حکم بیلغنی اینما کنتم) اسی لئے امام احمد اور امام مالک کا مسلک یہ کہ سلام مسجد نبویؐ میں داخل ہوتے ہی کر لے، اور دعا کے وقت قبلہ رخ ہو جائے۔

مشابہت کے چند اور پہلو

آنحضرتؐ نے یوم عرفہ کے خطبے میں صاف صاف اعلان فرمادیا کہ اسلام اور جاہلیت کسی نقطے پر متفق نہیں ہو سکتے۔ کل شیء من امر الجاہلیۃ تحت قدمی موضح؛ (جاہلیت کی ہر بات میرے قدموں تلے پا مال ہوتی ہے) ابوداؤد و نسائی ابن ماجہ میں ابوریحانؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے دس چیزوں سے منع فرمایا ہے۔

دانتوں کو مصنوعی طور پر تیز کرنے سے، گودنے سے، بال اکھاڑنے سے، اور مرد کو مرد کے ساتھ، اور عورت کو عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں سونے سے، اور شیمی لباس سے (مردوں کے لئے) مونڈھوں پر رشیم کے استعمال سے، لوٹ کے بال سے، اور چپتے کی کھال کے استعمال اور اس پر بیٹھنے سے اور (سونے کی) انگوٹھی پہننے سے۔

ابو داؤد میں عمران بن حصینؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں نہ مسوخ رنگ استعمال کرتا ہوں اور نہ زرد کپڑے پہنتا ہوں، اور نہ گریبان میں رشیم لگا ہوا کرتا پہنتا ہوں۔ صحیحین میں رافع بن خدیجؓ کی روایت ہے کہ صحابہؓ نے شکار کو ذبح کرنے کے لئے بانس کو استعمال کرنا چاہا تو آپؐ نے فرمایا جس کے خون بہہ جائے اور جس پر خدا کا نام لیا جائے اسے کھا سکتے ہو، دانت سے ذبح مناسب نہیں ہے۔ اور نہ ناخن سے اس لئے کہ حیثیوں کا طریقہ ہے، ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ اس میں گلا گھٹنے کا خطرہ ہے اس لئے فقہاء سے منع کرتے ہیں، ہاں ہڈی اور ناخن اگر جسم سے الگ ہوں تو استعمال کی گنجائش ہے لیکن جہور اسے ناجائز ہی کہتے ہیں۔

اذان و عبادا میں مشابہت کے ممانعت

[اہل نظر جانتے ہیں کہ اسلام کا طرزِ عبادت تمام مذاہب کے طریقِ عبادت سے مختلف اور ممتاز ہے اس میں جو عبودیت و انابت، جو بنیادگی اور برگزیدگی، اور جو روحانی بلندی ہے وہ کہیں نہیں ملتی، اسی طرح اسلام کی "اذان" بھی صنفِ کمال عالم میں اعلانِ توحید اور انھارِ حق کی بلند ترین شکل ہے، کوئی اذان کے لئے گھنٹی بجا نا ہے کوئی ناقوس اور ناقائے کا سہارا لیتا ہے، کوئی سنگ بھونکتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ

یہ سب طریقے اذان کی عظمت و رفعت کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے۔ اذان میں جس بلند آہنگی، صراحت و وضاحت، اور قوت و شوکت کے ساتھ توحید و رسالت کا کلمہ حق بلند کیا جاتا اور خدایان باطل کا رد کیا جاتا ہے اس کی تاریخ مذاہب میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ اذان اسلامی عبادات اور تعلیمات کا رمز اعظم، اور علامتی روح ہے۔ جی علی الفلاح کا لفظ بتاتا ہے کہ امت مسلمہ کا نصب العین عبدیت و عبادت میں منحصر ہے، اور وہ صلاح و فلاح کا حاصل، خدا سے تعلق، اور دین و دنیا کے صحیح امتزاج کو سمجھتی ہے یہ جملہ ایک اعلان ہے کہ یہ امت فلاح و کامیابی کا کیا جس کو کھتی ہے، اقبال نے اذان کے امکانات کو خوب سمجھا تھا جب کہا تھا ہے

یہ سحر جو کبھی فردا کہے کبھی ہے امروز نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شہستان و جود ہوتی ہے بندہ موسیٰ کی اذان سے پیدا

اقبال نے ایک نظم میں چاند تاروں اور دوسرے اجرام فلکی کو انسانی امکانات پر گفتگو کرتے دکھایا ہے، اور اس گفتگو کے آخر میں یہ معنی خیز شعر رکھا ہے

ناگاہ فضا بانگ اذان سے ہوئی ابریز

وہ نعرہ کہ ہل جاتا ہے جس سے دل کہسار

اذان کی اس اہمیت کے پیش نظر آنحضرتؐ نے اس میں بھی تشبیہ کا کوئی تشابہ باقی نہیں چھوڑا، البوداؤد میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ نماز کے لئے حضورؐ کو فکر ہوئی کہ کیسے لوگوں کو جمع کیا جائے چنانچہ بعض لوگوں نے نماز کے وقت ایک جھنڈا ہلنے کا خیال

لے اذان اور نماز پر حکماء کلام کے لئے دیکھے مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کی کتاب

الارکان الاربعۃ منہ اور ابجد

ظاہر کیا، لیکن آپ کو یہ پسند نہیں آیا، پھر کچھ لوگوں نے یہودیوں کے سنگہ اور قریبا ذکر کیا تو آپ نے ناپسند فرمایا کہ یہ تو یہودیوں کا عمل ہے، اسی طرح ناقوس کے ذکر پر اسے نصایح کی چیز قرار دے کر ناپسند کیا، اس کے بعد عبداللہ بن زیدؓ نے خواب میں اذان کی آواز سنی اور صبح کو آکر حضورؐ سے عرض کیا کہ نیند اور بیداری کے درمیان ایک شخص نے مجھے اذان کی تعلیم دی، اتفاق سے حضرت عمرؓ بھی میں دن پہلے یہ خواب دیکھ چکے تھے حضورؐ کو جب علم ہوا تو آپ نے پوچھا کہ پہلے کیوں نہیں بتایا تھا؟ آپ نے عرض کیا کہ عبداللہؓ نے پہلے بتایا اس لئے مجھے شرم آئی، پھر آپ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا جیسا عبد اللہؓ بتائیں اسی طرح اذان دو۔ سید بن منصورؒ نے بھی سنیں یہ روایت کی ہے اس میں یہ الفاظ زائد ہیں: **اَکْرَهَ اَنْ اَشْغَلَ رَجُلًا عَنْ صَلَاتِهِمْ بِاَذَانٍ خِيَرَهُمْ** (مجھے پسند نہیں کہ دوسروں کی اذان کا سہارا نمازیں لیا جائے) صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے آگ روشن کرنے کی تجویز بھی کھی تھی لیکن آپ نے اذان وقامت کا حکم دیا، ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ قرنِ یہود کی اصل تو حضرت موسیٰؑ سے ملتی ہے کہ ٹھولی بجنان کے عہد میں ثابت ہے لیکن ناقوس نصاریٰ کی بدعت ہے وہ فرماتے ہیں کہ دین حلیف کا شعار وہی اذان بن سکتی تھی جس میں ذکر اللہ کا اخبار و اعلان ہو جس سے آسمان کے دروازے کھل جاتے، اور شیطان بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، اور رحمت اترنے لگتی ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ آج کل ہمارے عہد میں خیشنبہ کو بڑی دھوم سے منایا جاتا ہے اور شاہی اہلکار ناقوس وغیرہ بجاتے ہیں اور نمازوں کے لئے بھی اس کا استعمال کرتے ہیں اور طرح طرح سے عجم کی مشابہت اختیار کرتے ہیں، ان کے یہ حکیمانہ اور دومانہ

جلے قابل واد ہیں۔

وہذہ المشاجہۃ للیہود والنصارى
والاعاجم من الروم والفرس
لما غلبت علی ملوک الشرق ہی
وامثالہا مملکۃ الفویہ حدی
المسلمین ودخلوا فیما کرہہ اللہ
ورسولہ: سلط اللہ علیہم التراد
انکافرن الموعود بقتلہم حتی
فعلوا فی العباد والبلاد ما لم یحی
فی دولۃ الاسلام مثله۔

یہود و نصاریٰ اور روم و ایران کی مشابہت
جب سلمان بادشاہوں نے اقتدار کی اور
مسلمانوں کے طور طریق سے منہ موڑا،
خدا اور رسول کی مرضیات کو چھوڑا تو اللہ تعالیٰ
نے ان کا خیر ترکوں کو ان پر مسلط کر دیا، جن سے
فاتحانہ جنگ کا وعدہ تھا، چنانچہ تاری
حلوں میں انھوں نے عالم اسلام میں وہ
بتا ہی مچائی کہ جس کی اسلامی تاریخ میں
کوئی مثال نہیں ملتی۔

اسلامی عبادات سکون و سکینت، وقار و متانت، سنجیدگی اور برگزیدگی کا
نمونہ ہیں جبکہ عہد جاہلی اور عہد جدید کی قوموں میں بھی عبادات میں شور و غلبہ پایا جاتا
ہے، قرآن میں ہے کہ جاہلیت کی نماز تالیماں اور سیٹیاں بچانے کا نام تھا لیکن اسلام
نے دوسرا طرز اختیار کیا، قیس بن عبادہ صحابہ کا حال بتاتے ہیں کہ وہ ذکر کے وقت
آواز کو پست رکھتے تھے، جنگ و جدال، اور جنازہ کے وقت بھی وہ خاموشی اور سکون
پند کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ عرب جاہلی عہد میں مزدلفہ سے سورج نکلنے پر چلتے
تھے، لیکن آنحضرتؐ نے ان کی مخالفت میں طلوع آفتاب سے پہلے چلنے کی ہدایت کی
لہ افتقار العباد المستقیم ص ۱۱۱

اور فرمایا: ”وخالفت ہدیٰ مینا ہدیٰ المشرکین“ (ہماری سنت مشرکین کی سنت کے خلاف ہے) ایسے ہی وہ عرفات سے غروب سے قبل ہی چلے آتے تھے، مگر آپ نے بعد غروب چلنے کا حکم دیا، جہور کے ہاں وقوف بعد الغروب ایسی لئے واجب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ایک بار مجھے زرد لباس پہنے دیکھا تو فرمایا کہ یہ کفار کا لباس ہے، اسے مت پہنو: ان ہذا من ثیاب الکفار لا تلبسھا (مسلم) دوسری حدیث میں سونے چاندی کے برتنوں کے لئے فرمایا گیا، وہ دنیا میں کافروں کے لئے ہے، اور آخرت میں مومنوں کے لئے۔

صحیحین میں ابو عثمان نہدی کے نام حضرت عمرؓ کا وہ خط نقل ہوا ہے، جس میں انھوں نے آذربائیجان کی مہم کے کمانڈر عقیب بن فرقد کو لکھا تھا: مال غنیمت نہ تمہاری ماں کا ہے، نہ باپ کا جو تم کھاتے ہو، مسلمانوں کو بھی وہی کھلاؤ، تنعم اور مشرکین کی مشابہت اختیار نہ کرنا، نہ ریشم پہننا، اس لئے کہ حضورؐ نے صرف ۲ انگلی ہی اس کی اجازت دی ہے۔“

ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے ایک گھر میں تانبے پیتل وغیرہ کے لوٹے دیکھے تو اس میں داخل نہیں ہوئے اور فرمایا کسی قوم کی مشابہت اس قوم کا فرد بن جانا ہے، علی سداق کہتے ہیں کہ ایک دعوت ولیمہ کے موقع پر حضرت امام احمد بن حنبلؓ تشریف لائے، لیکن جب انھوں نے کرسی پر چاندی کے نقش دیکھے تو اس گھر سے نکل کر واپس جانے لگے صاحب خانہ انھیں منانے گیا تو آپ نے ہاتھ کو زور سے جھٹک کر فرمایا: ”زی المجوس، زی المجوس“، تم نے تو مجوس کی نقل اپنائی ہے!

صالح کی روایت میں ہے کہ جب کسی دعوت میں نشہ، یا کوئی منکر ہوتا یا سونے چاندی کے بزن ہوتے یا دیواروں پر پردے پڑے ہوتے تو آپ کبھی نہیں ٹھہرتے تھے

مسئلہ تشبیہ میں مکہ اربعہ کا اجماع

اس باب میں مذاہب اربعہ کی وہ بنیادی تصریحات درج کی جاتی ہیں، جو مسئلہ تشبیہ میں ائمہ اور علما سے منقول ہیں، امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے کہ تاخیر صلاۃ تعمیل سے بہتر ہے، البتہ جاڑوں میں ظہر میں تعمیل کی اجازت ہے، احناف نے مغرب کی تعمیل کی علت یہ بتائی ہے کہ اس میں یہود کی مشابہت ہے وہ اسی وجہ سے محراب اور طاق میں امام کے یا کسی نمازی کے کھڑے ہونے کو مکروہ کہتے ہیں کہ اس میں بھی اہل کتاب کی مشابہت ہے، یوم شک کا روزہ رمضان کا روزہ سمجھ کر رکھنا اسی لئے مکروہ کہا گیا کہ اہل کتاب اپنے روزوں میں کمی زیادتی کر لیتے تھے، امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے کہ صرف چاندی کی انگوٹھی جائز ہے، اس لئے احناف کا کہنا ہے کہ تیغ، بوسہ، اور کسی وحاش کی انگوٹھی حرام ہے، اور اس کے ثبوت میں وہ حدیث ہے جس میں کسی کے ہاتھ میں تانبے کی انگوٹھی دیکھ کر آپؐ نے فرمایا: "مالی اجد منک رج الا صناعہ؟" (مجھے تم سے تہوں کی بواہی دیکھ کر اسی طرح کسی کی انگلی میں بوسہ کی انگوٹھی دیکھ کر آپؐ نے فرمایا: "مالی ادری علیہ حلیۃ اهل النار؟" (مجھے تمہارے بدن پر اہل نار کا زیور نظر آتا ہے) اس کے علاوہ بھی تصویر والے کپڑے پہن کر یا ان کے سامنے نماز پڑھنا، یا ریشم کو کسی طرح استعمال کرنا احناف کے ہاں منع ہے تشبیہ ہی کی وجہ سے منع ہے، امام مالکؒ کا مسلک اور زیادہ سخت ہے احناف تو تحریم کی اجازت معذور کے لئے غیر عربی میں بھی دیتے ہیں، لیکن

مدونہ میں ابوالقاسم کی روایت میں امام مالکؒ کی روایت ہے کہ وہ تحریمہ، دعا، اور قسم وغیرہ کو کبھی غیر عربی زبان میں ادا کرنے کے قائل نہیں تھے، ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے زطانہ اعاجم، عجی، حبسے منع فرمایا ہے اور کہا ہے، وہ عیب نساہ ہے (انہا خرب)۔

ان کا مسلک ہے کہ جمعہ کو چھٹی کا دن نہ بنایا جائے اس لئے کہ اس بے علی میں یہود و نصاریٰ کی یوم السبت (شنبہ) اور (یکشنبہ) کی مشابہت ہے، اس طرح وہ کسی کے لئے تعظیماً گھڑے ہونے کو مکروہ سمجھتے ہیں، البتہ بیٹھنے کے لئے جگہ دیرنا مستحب ہے۔

بعض اصحاب مالکؒ کا کہنا ہے کہ جو مشرکین کے کسی تنویر پر خبر پوزہ کو خاص طرح سے کاٹتا ہے وہ گویا خنزیر ذبح کرتا ہے، شائعہ بھی اوقات مکروہ میں نماز کو تنفیہ کی طرح مکروہ کہتے اور اس کی علت مشرکین سے مشابہت کو قرار دیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: "انہا ساعۃ یسجد لہا الکفار" (یہ کفار کے سجدے کی طاعت ہے) سحری کی تاخیر کی علت بھی اہل کتاب اور مسلمین کے درمیان فرق اسی کو کہتے ہیں، وہ اس سنت کے ترک سے بھی قائل ہیں، جسے اہل بدعت اپنا شعار بنالیں جیسے قبروں کو خروطی بنانے کے بجائے وہ مسطح رکھتے تھے، لیکن جب روافض کا یہ شعار بنا تو انھوں نے احناف اور تنابلیہ کی رائے کو ترجیح دی۔

امام احمد کا مسلک اوپر گزر چکا ہے، ان کا خیال ہے کہ ہمینوں اور انسانوں کے عجی نام بھی مکروہ ہیں، حنبلی فقہائیں قاضی ابویعلیٰ، ابن عقیل، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے لباس کے مسئلہ میں کہا ہے کہ عرب کو چھوڑ کر عجم کا وطیرہ اختیار کرنا مکروہ ہے،

شیخ اعظم حضرت جیلانیؒ کا ارشاد ہے: ”بکرہ کل ما خالف زعمی العرب وشاہ ذمّی الاعاجم“ علمائے حنابلہ کا (جن میں ابو الحسن آمدی (ابن البغدادی) بھی ہیں) کہنا ہے کہ ہاتھ دھونے کے لیے پلنگی کا استعمال مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ حضورؐ نے استعمال فرمایا ہے، حضرت شیخ جیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ ایک ہی پلنگی میں سب کو ہاتھ دھلانا چاہئے، اور حدیث میں آیا ہے کہ جب تک طشت پانی سے بھر نہ جائے اٹھایا نہ جائے، علمائے سنی کی توجیہ میں کہا ہے کہ عجم کا طریقہ اس کے برخلاف تھا، علمائے حنابلہ نے (جن میں شیخ اعظمؒ بھی ہیں) سرسڑائے کو مکروہ لکھا ہے اس لئے کہ یہ بعض عجمی قوموں کا شعار ہے۔

ارشام نے امام احمد سے عجمی کمانوں کے لئے پوچھا تو فرمایا کہ اکثر لوگ تو عربی کمانیں ہی رکھتے تھے مگر حضرت عمرؓ سے رخصت بھی ثابت ہے، انھوں نے اہل خراسان کا یہ خیال ظاہر کیا کہ وہ عربی کمانوں کو تیر بیدرت نہیں سمجھتے، اس پر امام احمدؒ نے فرمایا: ”کیف وانما فُتحت الدنيا بالعربية“ (میں کیسے مان لوں؟ حالانکہ دنیا تو عربی کمانوں ہی سے فتح ہوئی ہے!)

ارشام نے حضرت علیؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ ایک دفعہ اپنی عربی کمان پر ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص ایزلی کمان لئے ہوئے گزرا آپ نے اس سے فرمایا کہ یہ ملعون کمان پھینک دو اور عربی کمان سنبھالو، اور نیزوں کو استعمال کرو اللہ تعالیٰ اسی سے دین کی مدد کرے گا اور اسی سے تمہارے قدم جائے گا“ (فبھا یؤید اللہ الدین ویجھایمکن لکم فی الارض)

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ جنگی آلات امور دنیا سے تعلق رکھتے ہیں جن میں

عقل و تجربے کا بھی کافی دخل ہوتا ہے، لیکن ان چیزوں میں بھی ائمہ و اسلاف اعتقاد ہی سے کام لیتے تھے یہاں کتاب کے محشی شیخ حاد الحقی نے لکھا ہے کہ یہ ترداد و شروع میں حضور کی ممانعت اس لئے تھی کہ اہل عجم اسلام کی آرائش پر بھی زور دیتے تھے، لیکن آنحضرتؐ ظاہر کو نہیں دیکھتے تھے، بلکہ ضربی کو پسند کرتے تھے، اس لئے عربی اسلام کو پسند فرماتے تھے، لیکن آج جبکہ دوسری قومیں فنون حرب میں بہت آگے ہیں تو ہمیں اَعِدُّوْا لِهَٰلِ الْفُرْعَانِ اَلَا تَسْمَعُوْنَ کے مطابق ان کے آلات و وسائل کو اپنا کر ان پر اضافہ بھی کرنا چاہئے تاکہ اسلام کا کامیاب دفاع کیا جاسکے۔

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ شریعت نے کفار کی مشابہت سے اس لئے بھی روکا ہے کہ وہ شیطان کی مشابہت بھی ہوتی ہے، جیسا کہ مسلم نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے حضورؐ نے بائیس ہاتھ سے کھانا پینا منع کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شیطان کا عمل ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے یہاں ایک حکیمانہ نکتہ سے ایک غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اہل عجم کی مخالفت اور عرب کی موافقت کا حکم کسی نسلی، انسانی، اور قومی عصبیت کی بنا پر نہیں دیا گیا ہے، کیونکہ اسلام میں اس کا گز نہیں۔ بلکہ اس لئے ہے کہ عرب اسلام کے نمائندے تھے، چنانچہ ان کی تہذیب اسلامی تہذیب میں رنگ لگئی اور بالآخر اسلامی تہذیب میں جذب ہو گئی۔ اب اس کے بعد عرب کی مخالفت اسلامی تہذیب کی مخالفت کے ہم معنی ہو جاتی، لہذا اس سے روک دیا گیا۔

قبائلی عصبیت پر آنحضرتؐ نے جس طرح ضرب کاری لگائی وہ سب کو معلوم ہے، صحیحین میں ابن العاصؓ کی روایت میں آپؐ نے فرمایا کہ فلاں میرے عزیز نہیں بلکہ میرا عزیز تو خدا اور اس کے نیک بندے ہیں، ان بنی فلاں لیسوا لی باولیاء انما ولیتی اہلۃ وصالحو المؤمنین۔

خود اشرقتا ہے نے اہل عجم کی تعریف فرمائی قَا حَرَمَیْ مِنْهُمْ مَا یَلْقَوْنَ اَیْہُمْ
(۳-۶۲) صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ یہ آیت اتری تو لوگوں نے
پوچھا یہ کون ہیں؟ آپ نے حضرت سلمانؓ پر ہاتھ دھر دیا اور فرمایا کہ اگر علم ثریا پر
بھی ہو تو ان کا قوم کے افراد اسے اتار لائیں گے۔

عربوں سے مشابہت کا حکم انکی افضلیت کے سبب

شیخ الاسلامؒ نے اہل سنت کا عقیدہ یہ بیان کیا ہے کہ جنس عرب کو
جنس عجم پر فضیلت ہے اس لئے کہ حدیث میں وارد ہے: **حُبُّ الْعَرَبِ اِيْمَانٌ**
و **بُغْضُهُمْ نِفَاقٌ** (عربوں کی محبت ایمان اور ان سے بغض نفاق ہے)
متحدہ روایات میں عرب اور قریش و بنو ہاشم کو مطلق فضیلت دی گئی
ہے، حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت ہے: **حُبُّ الْبَكْرِ وَ عَمْرِ بْنِ الْاِيْمَانِ**
و **بُغْضُهُمَا مِنْ الْكُفْرِ** و **حُبُّ الْعَرَبِ مِنَ الْاِيْمَانِ** و **بُغْضُهُمَا مِنَ الْكُفْرِ** (البکر و عمرؓ
کی محبت ایمان اور ان سے بغض کفر ہے، اسی طرح عربوں سے محبت ایمان اور ان سے
نفرت کفر ہے) حضرت عمرؓ اور ان کے بعد تمام خلفائے بنو امیہ و بنی عباس....
عطیات کے جزی میں پہلے آل رسولؐ، پھر عرب اور پھر عجم کے نام درج کرتے تھے۔

لے روایت ابو طاہر سلفی و عرب کرمانی۔ **ع** حضرت عمر فاروقؓ نے جب خلافت کا نظم مقرر کیا تو لوگوں نے
عرض کیا کہ امیر المؤمنین اپنا نام پہلے تحریر فرمائیں اور اس کی تائید و توثیق بھی قبول کریں لیکن حضرت عمرؓ دونوں باتیں
قبول نہیں کریں، اور فرمایا کہ کو اپنی حیثیت معلوم ہے اللہ نے اسے جہاں رکھا ہے اسے وہیں رہنے دو۔ **ک**۔ و لکن خواجہ
حیث و مضعہ اذ لہ تعالیٰ عجزا نچہ اپنا نام اپنی عدی کے ایک فرکانہ حیثیت لکھا، جہاں اپنی باتم اور قریش کے بہت بزرگ
رجس تھا، اور اسی طرح معمولی و طیف بھی قبول فرمایا۔ **مذہب**

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ اس فضیلت کی وجہ علمِ نافع اور عملِ صالح ہے، اور علم کے لئے حفظ و فہم، اول و لطف و بیان ضروری ہے اور ان دونوں چیزوں میں عرب قومِ عالم میں ممتاز ہیں، اور عمل کی بنیاد اخلاق پر ہے جو افتادِ طبع اور مزاج سے پیدا ہوتے ہیں لہذا اس میں بھی عرب اس لئے ممتاز ہیں کہ ان کا رجحان خیر کی طرف زیادہ ہوتا ہے، اور ان کی سادہ فطرت خیر پسندی کی جاننا سانی سے نائل ہو جاتی ہے، اور ایک بڑی وجہ فضیلت یہ بھی ہے کہ دوسری تمام قومیں فطرت سے دور جا پڑی تھیں، اور ان کی سادہ طبیعت خود ساختہ تہذیب و تمدن سے غلط رنگ اختیار کر گئی تھی، ان کے علوم و فنون، ان کی خواہشات و نفسانی مطالبات نے آئینہ جاں کو مکدر اور شیشہ دل کو گرد آلود کر دیا تھا۔ لیکن عرب اپنی صحرائی اور بیابانی زندگی کی وجہ سے تہذیبوں کے رنگ اور ان کے رنگ سے بچے ہوئے تھے، فطرت کی دی ہوئی تمام صلاحیتیں اور امکانات موجود تھیں لیکن کوئی ان کو صحیح رخ دینے والا نہ تھا، اس حال میں بختِ محمدی ہوئی اور رسول اللہؐ کی نگاہِ فیض پناہ نے مہمِ خاتم کو کندن، اوزِ تھمر کو پارس بنا دیا، تاہم شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ بحیثیتِ مجموعی عرب قوم کو فضیلت ہے نہ کہ ہر عرب کو فرداً فرداً عجمی پر فضیلت ہے نہ اس کو اظہار کا حق ہے اس لئے کہ یہ نسلی فخر و غرور کسی طرح اسلام میں جائز نہیں۔

بندہ عشقِ شدی ترکِ نسب کن جامی

کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزِ نیست!

شیخ الاسلامؒ نے ایک تاریخی غلطی کو صاف کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ عرب اور عجم کا امتیاز صرف حسبِ نسب کا نہیں بلکہ علم و فن، اخلاق و آداب، اور تہذیب و ثقافت کے اختلاف کے سبب ہے، یعنی اس کی جڑیں صرف سطح میں نہیں بلکہ بہت گہری ہیں۔

وہ ”عربیت“ کے لئے ۳ باتیں ضروری قرار دیتے ہیں، (۱) ان کی زبان عربی ہو (۲) عربوں کی اولاد سے ہوں (۳) ان کا مسکن جزیرۃ العرب ہو، جس کے حدود بحر مسلم (RED SEA) سے خلیج عرب (ARABIAN GULF) اور جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام پر ختم ہوتے ہیں، لیکن اس میں شام، شامل نہیں، پھر فتوحات اسلامیہ کے بعد عالم اسلام کے دو حصے ہوئے، ایک وہ جن میں عربی تہذیبی ثقافت غالب تھی، دوسرے وہ جن میں مقامی رنگ زیادہ گہرا تھا۔

پہلے میں مصر و شام، عراق و اندلس، ایران و خراسان رکھے جاسکتے ہیں، دوسرے میں ترکی، آرمینیا، آذربائیجان وغیرہ جیسے علاقے شامل ہیں، ان کی رائے ہے کہ عربوں کی تقلید کا یہی مفہوم ہے کہ ان کے دینی صفات اور اسلامی خصوصیات کی اتباع کی جائے جس کے لئے مثالی نمونہ اور معیار صدر اسلام کے عرب ہی قرار دے جائیں گے اس لئے کہ بعد کے آزاد خیال لوگ جو نسلاً عرب ہیں لیکن اخلاقی طور پر عرب نہیں ان کی تقلید ناپاوار ہے، صدر اسلام میں عربی معاشرت کی چھاپے کوئی نئے مستثنیٰ نہیں رہ سکتی تھی، حضرت مسیح کا قول تھا کہ جو عمر اسلام میں پیدا ہوا وہ عربی ہے، من و لد فی الاسلام، فقہ و عربی (۱۶۸) اور حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک مرفوع روایت ہے کہ جو عربی ہوتا ہے وہ عربی ہے، اور جس کے حمد اسلامی میں پیدا ہونے کی گواہی دو شخص دیدیں وہ بھی عربی ہے۔ من تکلم بالعربیۃ فهو عربی ومن ادرك له اثنان فی الاسلام فهو عربی“

لہٰذا اس تشبیہ کہتے ہیں کہ ہم نے اوپر عربی زبان اور عربی اخلاقی کا ذکر کیا وہ اسی کے لئے ہے جو اس پر فعال ہو، اگرچہ زیادہ فارسی کہوں نہ ہو اور ہاشمی ہوتے ہوئے بھی جو ان صفات کا قائل نہیں وہ عربی نہیں عربوں کی فضیلت دین ہی کے لحاظ سے ہے اگر کوئی عربی دیندار نہیں تو اس کے لئے فضیلت کا حکم نہیں (۱۶۸)

امام ابو حنیفہؒ و پشت کے عربی کو عرب کہتے ہیں، اور عرب کا کفو قرار دیتے ہیں، امام ابو یوسفؒ ایک ہی کو کافی سمجھتے ہیں امام شافعیؒ واحد اسے معتد بہ نہیں سمجھتے، اس بحث کو شیخ الاسلامؒ نے ایک حدیث پر ختم کیا ہے کہ قلیس بن مطاط نامی منافق نے ایک مجلس میں حضرات صہیبؓ، می، سلمان فارسیؓ، اور بلال حبشیؓ رضی اللہ عنہم کو طعنہ دیا کہ اہل وخرج نے تو آنحضورؐ کے ساتھ جان کی بازی لگائی تھی، لیکن ان کی قوموں نے کب ساتھ دیا تھا؟ حضرت معاذ بن جبلؓ کہیں سن رہے تھے، انھوں نے اسے پکڑ کر حضورؐ کے پاس حاضر کیا آپؐ پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے اور نماز کا اعلان کرایا اور پھر منبر پر ارشاد فرمایا کہ لوگو رب ایک ہے، مورث اعلیٰ ایک ہے۔ دین ایک ہے اور عربیت رشتہ و نسب کے نہیں بلکہ یہ تو ایک زبان کی وجہ سے ہے، چنانچہ جو عربی بولتا ہے وہ عرب ہے، (یعنی اس میں کوئی فخر نہیں) حضرت معاذؓ نے پوچھا کہ اس منافق کے لئے کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا اسے جہنم میں جانے دو ادعہ الی الناس چنانچہ وہ کسی موقع پر مرتد ہوا اور مارا گیا: ایہا الناس ان الرب رب واحد، والاب اب واحد، والدین دین واحد، وان العربیۃ لیست لاحد کمر باب ولا ام، (نہا ہی لسان، فمن تکلم بالعربیۃ فهو عربیؓ) ۱۶۹



لے ابن تیمیہ نے اسی حدیث کو سلفی سے نقل کیا ہے اور معنی صحیح لکھا ہے۔

ماقبلِ اسلام مذاہب کے ساتھ اسلام کا رویہ

[اسلام کے ناسخ ادیان و دینوں کو آج کل پھر غلط رنگ دینے کی کوشش ہو رہی ہے جس کا سلسلہ مستشرقین سے شروع ہوا تھا، کہا جاتا ہے کہ اسلام اتنا کٹر، کھڑا اور اکل کھڑا مذہب ہے کہ کسی مذہب، تہذیب کو سنپنے کا موقع ہی نہیں دیتا، اسے کسی طرح برداشت کر سکتا ہے، حالانکہ اس پر وہ یکنے کے پیچھے خالص تعصب کا فرما ہے اگر ایسا ہوتا تو اسلام دنیوں کے ساتھ حسن سلوک بلکہ مساویانہ برتاؤ کی کیوں اجازت دیتا یا پر امن بقائے باہم کی شرطیں کیوں سامنے رکھتا؟ اس نے علم کی آزادی اس حد تک دی کہ چین تک کے علمی سفر کی اجازت دی، اور حکمت کو مومن کی متاعِ گم شدہ قرار دیا، اور جاہلیت کی اچھی اقدار کی قدر کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ جو جاہلیت میں مثالیت تھا وہ اسلام میں بھی رہے گا، خیر کہ فی الجاہلیۃ خیر کہ فی الاسلام۔

اسلام نے دوسرے مذاہب و تہذیب سے جن حدود کے اندر روکا ہے وہ اس لئے ہیں کہ عقلی اور اخلاقی اعتبار سے انسان کے لئے سود مند نہیں رہا پھر اس لئے کہ

دینِ کامل میں نقص کا سبب بن جاتے ہیں، اور ان سے اسلام کی انفرادیت پر حرج آتا، اور اس کے نظامِ کامل میں کوئی خلل واقع ہو جاتا ہے، اس سے معلوم ہو کہ یہ ممانعت کسی تعصب کی بنا پر نہیں بلکہ خود فلاحِ انسانیت کے پیشِ نظر ہے، ورنہ پھر آخری دین کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی، ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ دوسرے مذاہب میں تاریخی نشیب و فراز کے ساتھ تحریف و تبدیلی ہوتی رہی ہے اس لئے ان کے حدود (LIMITS) متنبہ ہو گئے اور ان کی جامعیت و بالینیت ختم ہو کر رہ گئی، اس بے یقینی کی کیفیت کو وہ رواداری کا نام دیتے ہیں، جسے اسلام جیسا متعین، مکمل، اور نظمِ مذہبِ ظاہر ہے کہ کیسے گوارا کر سکتا ہے یا کوئی بھی مذہب و تہذیب جس کا متعین نصیحا یحییٰ اور بدعت (GOAL) ہو اس کی کیونکر اجازت دے سکتا ہے۔

شیخ الاسلامؒ ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ جن چیزوں کے بارے میں شریعت خاموش ہے ان میں ما قبلِ اسلام کے شرائع پر عمل ہوگا، اس لئے کہ ارشاد ہے: "فَبِهَذَا احْمَدُ اَقْبَنِي" (۹۱:۶) (آپ اگلوں کا نمونہ سامنے رکھئے) دوسری جگہ کہا گیا: "ارْتَبِعْ مِلَّةَ آبَائِكَ اِهْيَئِمْ" (۱۲۳:۱۶) (ملتِ ابراہیم کی اتباع کیجئے) تیسری جگہ ارشاد ہوا: "فَبِكُلِّ مِلَّةٍ اَلْبَشَرِ اَلَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا" (۴۴:۵) (اطاعت گزاروں کو نبی اس کا حکم کرتے ہیں) عامِ ملحد اور جہور فقہاء بھی اس کے قائل ہیں اور سعید بن جبیرؒ کی ابن عباسؓ سے روایت بھی اسکے ہم معنی ہے کہ حضورؐ نے مدینہ آکر عاشوراء کے بارے میں یہودیوں سے دریافت فرمایا تو انھوں نے بتایا کہ یہ یہود بڑا دن (Holy Day) ملے جس میں حضرت موسیٰؑ نے فرعون کی شکست کے بعد روزہ رکھا تھا اس پر حضورؐ نے فرمایا تب تو ہم تم سے زیادہ کہیں موسیٰؑ کے حقدار ہیں چنانچہ

آپ نے روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی حکم دیا۔ (متفق علیہ)
ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ اہل کتاب سر کے بالوں کو سیدھا چھوڑ دیتے تھے،
اور مشرکین مانگ نکالتے تھے، اور حضورؐ کا قاعدہ تھا کہ نامعلوم امور میں اہل کتاب کی موافقت
پسند فرماتے تھے، اس لئے آپؐ نے ایسا ہی کیا، مگر پھر بعد میں آپؐ نے فرق اقدس میں
مانگ بھی نکالی۔ (متفق علیہ)

یہاں تک اعتراض تھا ابن تیمیہؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں اقتدا کا حکم
وہیں ہے، جہاں باقبل کی شریعت ثابت بھی ہو جیسے کتاب و سنت میں اس کا
ذکر آیا ہو یا قوتر سے ثابت ہو اس کے بغیر براہ راست اہل کتاب کی کسی بات کو
مان لینا صحیح نہیں، دوسرے آنحضورؐ کا معاملہ امت سے مختلف تھا آپؐ کو وحی کے
ذریعہ اطلاع مل جاتی تھی لیکن امت کیونکر کسی گمراہی سے بچ سکتی ہے؟ اسی لئے آپؐ نے
فرمایا کہ اہل کتاب کی تصدیق تکذیب کچھ نہ کرو، وہ کہتے ہیں کہ آنحضورؐ کی موافقتیں عارضی
حکم کے طور پر تھیں مستقل اور دائمی نہیں۔ وانما تجتمع الموافقة فی بعض الاحکام
العارضة لا فی المبدی الراتب والاشعار الذائعہ ۱۷۳۔

ایک اور ضروری چیز یہ ہے کہ ان احکام میں حضورؐ اور ان کے ساتھیوں سے
کوئی بات اس کے خلاف نہ ثابت ہو چکی ہو، یا کم از کم اس کی اصل ہماری شریعت
یا کسی نبی کی سیرت میں موجود ہو جیسے کسی نے بیٹے کی قربانی کی نذر مانی تو وہ جانور ذبح
کر کے لے پورا کر سکتا ہے، جبکہ اہل حضرت ابراہیمؑ سے ثابت ہے (ایک جواب یہ بھی دیا
جاسکتا ہے کہ اہل کتاب کی موافقت آپؐ نے خوشی سے نہیں کی بلکہ اس لئے کی کہ
مشرکین کی موافقت نہ کرنا چاہیے۔ گویا یہ اہل البیتینؑ کے اختیار کرنے کی صورت تھی

اسی لئے حدیث میں تصریح آئی ہے کہ مشرکین کے مقابلے میں اہل کتاب کے عمل کو ترجیح دیتے تھے نہ کہ مطلق حالت میں (صوم عاشورہ کے بارے میں ان کی تحقیق ہے کہ وہ عربوں میں متعارف تھا چنانچہ حضورؐ اور قریش کے لوگ اسے رکھتے تھے حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے کہ حضورؐ قریش کے رواج کے مطابق صوم عاشورہ رکھتے تھے جب رمضان کے رونے فرض ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ عاشورہ کے رکھنے نہ رکھنے کا اقتدار ہے (صحیحین) ایک روایت میں ہے کہ عاشورہ کے دن کعبہ پر غلات ڈالا جاتا تھا؟ کان یوم تستوفیہ الکعبہ“ حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہی روایت ہے۔

اہل کتاب کی مخالفت کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ یہاں حکم تھا، بعد میں اہل کتاب کی مخالفت کا حکم بھی ہوا اور اسے مقصد شریعت بھی قرار دیا گیا جیسے بالوں کے معاملے میں ان کی مخالفت کی اور ذمیوں کو مسلمانوں کے طرز پر مانگ نکالنے سے روک دیا گیا یا جیسے بیت المقدس کا قبلہ اولیٰ منسوخ ہو گیا، صوم عاشورہ میں یہود کی مخالفت کے خیال سے آپؐ نے ایک دن مزید روزہ کا حکم فرمایا تھا، جسے آگے پیچھے ملا لینا ضروری تھا۔

حکم بن العروج کہتے ہیں کہ میں ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؓ زمر کے پاس چادر پر ٹیک لٹکائے بیٹھے تھے، میں نے عاشورہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ وہ محرم کو بھی روزہ رکھو میں نے کہا کیا حضورؐ نے ایسا ہی کیا ہے؟ فرمایا: ہاں! مسلم میں ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اگر میں آئندہ سال تک جیتا رہا تو وہ کو بھی روزہ رکھوں گا، ابن عباسؓ نے فرمایا کہ روزہ یہودی کی مخالفت کے سبب رکھو، سعید بن منصور نے سنن میں روایت کی ہے کہ حضورؐ نے بھی ایسا ہی فرمایا۔ صوم و ایوم عاشورہ

وخالقوا فیہ الیہود صوموا یوماً قبلہ او یوماً بعدہ، امام احمد نے بھی یہی روایت کی ہے اور ان کا مسلک بھی یہی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خالی ماشوراکے روزے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

وہ فرماتے ہیں کہ صدر اسلام میں چونکہ یہودیوں اور مسلمانوں میں کوئی تہذیبی فرق نہیں تھا اس لئے بعض چیزوں میں مسامحت کی گئی، لیکن جب دین کامل ہو گیا اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں اجماعاً بھی اسلامی تہذیب کے حدود متعین ہو گئے تو مخالفت سامنے آئی جس کا سبب یہ تھا کہ یہ اعتدال قسم کی چیز ہے جو تہذیبی شوکت کے بعد ہی ظاہر ہوتی ہے، جیسے جہاد و جزیہ اور دوسرے احکام سیر چونکہ مسلمان کمزور تھے اس لئے مخالفت نہیں کی گئی، لیکن بعد میں ایسا نہیں رہا۔

شیخ الاسلامؒ نے ایک قابل غور بات کہی ہے جس پر حالات کے رد و بدل کے ساتھ عمل کیا جاسکتا ہے وہ فرماتے ہیں:

ومثل ذلک الیوم لوان المسلم	مثلاً کوئی مسلمان اگر دارالحرب میں یاد رکھ کر
بدا الحرب، اودار کفر غیر حرب	میں ہے تو وہ ظاہری مخالفت کا ماتم نہیں
لہم لیکن ماموراً بالمخالفة لہم فی	اس لئے کہ اس میں نقصان کا اندیشہ ہے،
الہدی الظاہر لہما علیہ فی ذلک	بلکہ کبھی مستحب اور کبھی واجب ہو جاتا ہے کہ
من الضر و مل قد یستحب للرجل	کبھی کبھار ظاہر ان کے ساتھ ہو جائے مگر

لہ مگر صورت یہ نہیں کہ عدم مخالفت کی وجہ مسلمانوں کی کمزوری تھی، بلکہ اس کا سبب غالباً یہ بھی تھا کہ جن احکام میں شریعت خاموش تھی ان میں ایسا ہوا اور دین کی تکمیل کے بعد دونوں کے تہذیبی

حدود قد متعین ہو گئے اور دونوں نے ایک محاذ (FRONT) کی شکل اختیار کر لی۔ مرتب

اور یجب علیہ ان یشارکہم احیاناً فی ہدیہم الظاہر اذا کان فی ذلک مصلحتہ دینیۃ: من دھوہم الی الدین ولاطلاع علی باطن امرہم لاخبار المسلمین بذلک اود فح ضررہم عن المسلمین ونحو ذلک من المقاصد الصالحہ — ۱۷۷

یہ اسی صورت میں ہے کہ اس میں کوئی دینی مصلحت ہو جیسے دین کی دعوت یا ان کا اور ان کی تہذیب و تمدن اور سیاست و حکومت کا جائزہ لینا مقصد ہو جس سے دفاعی کاموں میں مدد ملنے کی امید ہو یا مسلمانوں کی کسی اقتدار سے حفاظت کی توقع ہو تو ایسی صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔ اور دوسرے صراحہ مقاصد کے لئے بھی یہ طریقہ کار اپنایا جاسکتا ہے۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اصل اظہار مخالفت اسلامی مملکت میں ہوگا جہاں سکا حق حاصل ہے اور ہر قسم کا تحفظ بھی موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دین کے معاملے میں اہل کتاب کے کسی قول و فعل کو اختیار کرنا جائز نہیں، اور اگر کوئی کہتا ہے کہ ہمیں اہل کتاب کی ضرورت موافقت کرنی چاہئے تو اس کے دین سے نکل جانے کا اندیشہ ہے، البتہ مسلمان جن باتوں میں اہل کتاب کی موافقت کرتے ہیں یہ مخالفت بغض نہیں، بلکہ یہ صرف تہذیبی اختیار کے لئے ہے کہ کفر و اسلام دونوں کی پیدا کردہ تہذیبیں دنیا کے سامنے بے نقاب رہیں، اور لوگوں کو آزادانہ رد و قبول کے لئے مواقع فراہم ہوں اور وہ دونوں کی خوبیوں اور خرابیوں کا جائزہ لے سکیں۔ دوسری حکمت یہ تھی کہ ذہنیوں کا تہذیبی استحصال موقوف ہو ان پر زبردستی اسلامی تہذیب کو نہ لا دیا جائے۔

نظر آتے ہیں، خواہ وہ شعوری طور پر ہوا ہو، یعنی شرعی جواز کے تحت ہو یا خود اہل کتاب ہی اس کی اتباع کرنے لگے ہوں تو ہم سلف کی اتباع سمجھ کر اہل کتاب کی موافقت میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، لیکن غیر شعوری طور پر بھی غیر مسلمین کی تقلید و موافقت ناروا ہے اس لئے کہ بالوں کی سفیدی یا مونچھوں کا بڑھ جانا ایک فطری بات ہے جس میں اہل کتاب وغیرہ سے مشابہت و موافقت میں قصد و ارادہ کا کوئی دخل نہیں لیکن انھوں نے ان کو بھی گوارا نہیں کیا، اور ان کے لئے علیحدہ حکم دیا، انھوں نے اہل کتاب کے مسائل کی تین قسمیں کی ہیں، ایک یہ کہ وہ ہمارے ہاں مشروع ہو اور ان کے ہاں بھی ہو یا وہ عمل کرتے چلے آئے ہوں، دوسری یہ کہ مشروع ہو لیکن بعد میں قرآن نے اسے منسوخ کر دیا ہو تیسری یہ کہ وہ ان کی شریعت میں نہ ہو بلکہ ایجاد بندہ اور بدعت ہو، پھر یہ تینوں قسمیں عبادات سے متعلق ہوں گی یا عادات سے یا دونوں سے اس طرح ان کی ۹ قسمیں ہو جاتی ہیں۔

پہلی صورت جس میں شریعت اسلامی اور وہ دونوں متفق ہوں جیسے صوم، عاشورا یا صلاۃ و صیام، تو ان کی صفات میں اختلاف ضرور ہوگا جیسے دسویں کے ساتھ نویں کا روزہ، یا افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر وغیرہ جیسے اختلافات عبادات میں زیادہ اور عادات میں کم ہیں۔

تدین دونوں میں مشترک ہے، لیکن آپ نے فرمایا ہمارے لئے لحد ہے اور دوسروں کے لئے شق، یا ننگے پاؤں نماز پڑھنا شریعت موسوی کی ہدایت تھی، لیکن اسلام میں ایسا نہیں، حالانکہ سے علیحدگی ان میں بھی تھی، لیکن

اسلام نے اس میں اعتدال پیدا کر دیا۔
دوسری قسم یعنی ان کی منوٰخ شریعت جیسے سبت وغیرہ میں تو موقت
کا کوئی سوال ہی نہیں اور یہی حکم تیسری قسم یعنی بدعت کا بھی ہے۔



غیر اسلامی تقریبات عیدوں اور تیوہاروں میں شرکت

[اسلام میں غیر مسلموں کی تقریبات میں شرکت سے جو روکا گیا ہے وہ بلاوجہ اور بے ضرورت نہیں، اس میں کئی مصالح اور مضمرات ہیں، ایک مسلمان کو ایسی تقریبات اور تیوہاروں میں جانے سے سب سے پہلی چیز جو روکتی ہے، وہ ان تیوہاروں کا مذہبی، مشرکانہ اور مخالفت اسلام ہونا ہے، یعنی ان میں شرکت کے معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ توحید کے علم بردار کفر و شرک کے تماشوں اور نمائشوں میں پچسپی لیں، اور ان رسوم سے تفریح طبع کا سامان بہم پہنچائیں، آج کل کی جو زبانی رواداری چلی ہے (جس میں دل میں نفرت کے ساتھ زبان پر دوستی کے دعوے ہوتے ہیں، اور حالت جنگ میں بھی ایک دوسرے کی مزاح پر سی کی جاتی ہے) اس کا محرک لاد مذہبی ذہن اور اباحت پسندانہ مزاج ہے۔ ایسے روادار لوگ مذہب کی صحیح روح ہی کو نہیں سمجھتے اور نہ اس کی تعلیمات کی حقیقہ و عمل سے تصدیق کرتے ہیں، ان کے یہاں مذہب کے متعین حدود اور قانون کا تصور ہی نہیں، ان کے یہاں کفر و ایمان، شرک و توحید اور

دیرو حرم سب ایک ہی ہیں۔ ان میں کوئی فرق و امتیاز نہیں، ایسے لوگ آج کے معاشرہ میں بڑے روادار سمجھے جاتے ہیں، لیکن یہی رواداری 'مذہب کی زندگی کے لئے اصل چیلنج ہے، رواداری کے بھی حدود ہوتے ہیں، تیوہار اور تقریبات، صرف اظہار خوشی اور تفریح کے لئے نہیں ہوتیں بلکہ ان کی بنیاد ہمیشہ اور تاریخ کے ہر دور میں مذہب و عقیدہ پر قائم رہی ہے، کسی بھی قوم کی تقریبات کا تاریخی پس منظر دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیچھے کوئی نہ کوئی مذہبی روایت یا عقیدہ کارفرما رہا ہے، انگریزی مہینے آج کل ہر جگہ استعمال میں ہیں، اسی طرح دونوں کے انگریزی نام سب کی زبان پر ہیں، لیکن ان تک میں رومی، یونانی، اور مسیحی عقائد کا پس منظر موجود ہے، قدیم اقوام حتیٰ کہ قبائلی نظام میں بھی مذہب و عقیدہ کی بنیاد پر رسمیں اور تیوہار منائے جاتے تھے، یونانی، رومی، یہودی، مسیحی اور ہندو تہذیبوں میں بھی شاید ہی کوئی تقریب اور تیوہار ہو جو کسی مذہبی روایت اور حکم کی بنا پر نہ منائی جاتی ہو۔ اس صورت حال کے پیش نظر اسلام کس طرح مسلمانوں کو جو ایک خاص خالص عقیدہ کے حامل ہیں، ان مذہبی تقریبات کی شرکت کی اجازت دیدیتا، یہ تضاد تہذیب جدید کی نئی منطق میں جائز ہو تو ہو، اسلام کی واضح تعلیمات میں اس کی جگہ نہیں یہاں غیر اسلامی تقریبات کے بارے میں کچھ بیانات دئے جا رہے ہیں، تاکہ ان کے پس منظر کا ایک اندازہ ہو سکے: 'قاموس مذہب و اخلاق' کے مقالہ نگار نے تقریباً کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:-

• قبائل میں غذا کی فراہمی کی بڑی اہمیت رہی ہے، بولنے، کاشنے اور

شکار کے موسم ہمیشہ خوشی کے برقعے سمجھے گئے ہیں جن میں سخت محنت

کے بعد جشن منانا ایک فطری ضرورت سمجھی گئی، یہ مواقع روحانی اثرات سے پُر سمجھے جاتے تھے، ان میں دعوت ایک ہم جز ہوا کرتی تھی گویا یہ سمجھا جاتا تھا کہ انسان دعوتوں میں دیوتاؤں کو شریک کر رہا ہے، اس کے علاوہ کئی اور مواقع بھی اسی قسم کے تیوہاروں کے لئے مخصوص کئے جاتے رہے ہیں، مثلاً نئے چاند کا دکھائی دینا، یا مختلف دیوتاؤں سے متعلق تیوہار، عام طور پر ان موقعوں پر ناپچ گانے کے ذریعہ خوشی کا اظہار کیا جاتا رہا ہے۔

قدیم قبائل میں مختلف دیوتاؤں کے نام پر تیوہار منانے کی رسم ہمیشہ پائی جاتی رہی ہے جس میں دعوت ایک لازمی جز ہوا کرتی ہے، اعلیٰ مذاہب میں بھی دیوتاؤں یا ان سے تعلق رکھنے والے مواقع پر تیوہار اور دعوت کا رواج رہا ہے، گویا اس طرح دیوتاؤں کی عزت افزائی اور ان سے اظہارِ تواضع کیا جاتا رہا ہے۔

تمام ہندو تیوہار مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا ذکر بھی مذہب سے متعلق کتابوں میں ملتا ہے، اس میں دیوتا کے سامنے نذر پیش کرنے یا اس سے متعلق کسی رسم کو پورا کرنے کے سلسلے میں زیادہ تیوہار منائے جاتے ہیں، عوامی تیوہاروں میں بھی دو جز ہوتے تھے، ایک دعوت دوسرے پوجا، پرانے موسمی تیوہاروں میں پورناشی کی خاص اہمیت ہے، نہ صرف یہ کہ وہ بہت قدیم تیوہار ہے بلکہ مقبول ترین بھی ہے، بدھسٹ بھی اس کو (PASATHA) کے نام سے مناتے تھے، اس کا ایک جز

پیدا کر کے خدا نے اس کے ماننے والوں کے لئے وقت کا تعین کیا ہے۔ ان
 قدیم ترین مذاہب میں تیوباروں کا تعین ان کے سال سے اور سالوں کا
 تعین ان کے قدیم دیوالا سے اتنا خلط ملط ہے کہ دونوں کو جدا کرنا ناممکن
 ہے، ان تیوباروں کا تصور دراصل قبیلوں کی قومی شیرازہ بندی کرتا ہے
 تیوباروں کے موقع پر زندوں کا مردوں سے تعلق قائم کرنا اور پوتاؤں
 کی خوشنودی حاصل کرنا، ہمیشہ سے اہم جز رہا ہے، یونانی اور بائبل مذاہب
 میں اکثر تیوباروں کے موقع پر اس شہر کی پوجا کی جاتی تھی جس نے بعد میں
 وسعت پا کر پوری مملکت کے لئے اظہار وفاداری کی شکل اختیار کر لی۔
 دراصل کسی مذہب کے تیوباروں کی تاریخ سے اس مذہب کی پوری
 تاریخ کا پتہ چلا یا جاسکتا ہے، مثال کے طور پر عیسائیوں کا ———

(ALL SAINTS DAY) "یوم صوفیاء" قدیم شمالی یورپ میں مروی
 روحوں کی پرستش سے اخذ ہے، تھائی لینڈ کے نئے سال میں یہ
 تقریبات کے ساتھ ساتھ قدیم ہندو رسم و رواج کی جھلک دکھائی دیتی
 ہے... اور کھوں کا تیوبار "ہولا" ہولی سے مشتق ہے، تیوباروں کے
 مذہبی، سیاسی، اور مقامی روایات کو الگ نہیں کیا جاسکتا، اور یہ تمام
 دھارے مذہبی تقریبات کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتے ہیں، قدیم ترین
 قبائل میں جزائر فچی کے جنگلی قبائل اپنے نئے سرکار کی رسم تاجپوشی اس طرح
 مناتے ہیں کہ اس دن دنیا کی نئی تخلیق ہوئی ہے، فصل کٹنے کے وقت
 عام دعوت میں مردہ روحوں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے اور

انہیں ناپچ گار خوش کیا جاتا ہے، اسی طرح دوسرے قدیم قبائل میں فصل کی بوائی، کٹائی، شکار کا موسم شروع ہونے، درختوں میں پھل آنے کے وقت مختلف تیوباروں کا رواج ہے جن کا بڑا عنصر مذہبی تقریبات ہیں قدیم بابلی تہذیب میں مذہب کا سب سے بڑا تیوبار آغاز سال تھا جس میں بادشاہ وقت کی شادی (ISHTAR) دیوی سے کر کے دنیا پر دیوتاؤں کی حکومت کا شکون لیا جاتا تھا۔

قدیم مصری مذہب میں تیوباروں کے موقع پر پجاریوں کو اہم تقریبات ادا کرنا ہوتی تھیں جن میں دیوتاؤں کو کھلانا، ان کی آرائش، اور ان کے جلوس شامل تھے، ان کا سب سے بڑا تیوبار (OPET) کہلاتا تھا، جس میں عموماً دیوتا (AOMON) کی پوری کوکشی میں سجا کر حکومت وقت اقصر (LUXOR) سے کرنک (KARNAK) لیجاتا تھا، قدیم یونانی مذاہب میں تیوباروں کا تعلق زراعت سے تھا، اور ان کا خاص جز دیوتاؤں کی پوجا، دعوت عام، ناپچ گانے اور کھیل تماشے تھے، قدیم رومی مذہب کا بھی تقریباً ہی حال تھا، (MARS) کا تیوبار جنگ کے دیوتا کی یاد میں منایا جاتا اور (SATURN) کا تیوبار فصل کٹنے کے موقع پر جبکہ تمام سماجی پابندیاں ڈھیلی کر دی جاتیں اور لوگوں کو پوری آزادی دیدی جاتی تھی، اگرچہ تیوبار، زیادہ تربت پرستی کی یادگار تھے، لیکن ہر شہری کی وفاداری کا یہ تقاضا سمجھا جاتا تھا کہ وہ ان میں پوری طرح حصہ لے۔

قدیم ایران کے دو تیوباروں میں سے ایک نوروز تھا، جو سال نو کی آمد پر منایا جاتا اور دوسرا ہرجائی جو زرتشت کی پیدائش کے موقع پر آتا، اس کے علاوہ چھ موسمی تیوبار جو آسمانوں، پانی زمین، درخت، جانور اور انسان کی تخلیق سے متعلق تھے، ان میں سے ہر تیوبار ۵ دن تک منایا جاتا تھا، جنوب مشرقی ایشیا کے بدھسٹ ممالک میں منائے جانے والے تیوبار نہ صرف بدھ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، بلکہ ان پر قدیم ہندو رسم و رواج کی چھاپ بھی دکھائی دیتی ہے، سال نو (TRUT) کے موقع پر بکشو، بدرجوں کو بھگاتے ہیں، مختلف دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہے جن کا تعلق قدیم ہندو دیوتاؤں سے معلوم ہوتا ہے، ایک دوسرے پر پانی ڈالتے ہیں، اور تین دن تک جو اکھیلا جاتا ہے، اسی طرح بدھ کی پیدائش بیاکھ کے مہینے میں چند راسخی کی رات کو (VISHAKHA) پوجا کے نام سے منایا جاتا ہے، ہندوؤں کے زیادہ تر تیوباروں کا تعین موسم کی رعایت سے کیا گیا ہے، دو تیوبار جن کا ذکر ویدوں میں ملتا ہے، جالنے کے اخیر میں، بارش شروع ہونے، نیز موسم بہار کے موقع پر منائے جاتے تھے، قدیم ویدک تیوبار ان آریائی تیوباروں سے بہت مماثل تھے، جنھیں انڈو یورپین آریا مناتے تھے، لیکن ہندستان میں دراوڑ اقوام کے ساتھ اختلاف کے بعد ویدک تیوبار رفتہ رفتہ ختم ہو گئے اور ان کی جگہ موجودہ ہندو تیوباروں نے لے لی۔

ایڈورڈ گلیں اپنی تاریخ زوالِ روما میں لکھتا ہے :-

”مومن کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے ہر چار طرف خطرات کی یلغار تھی، اور تیرہاڑوں کے موقع پر تو یہ آزمائشیں باعثِ رحمت بن جایا کرتی تھیں اور قدم قدم پر ان کا سامنا پڑتا تھا کیونکہ یہ اوہام پرستیاں اور باطل عقائد کبھی خوشی اور مسرت کا لباس پہن کر سامنے آتے اور کبھی نیکی اور بھلائی کا روم کے مقبول ترین تیوہاروں کے موقع پر کھلے عام اظہار عقیدت، عودہ روجوں کے ذکر اذکار، موسوم بہار کے آنے کی خوشی تخلیقی قدرت کی پرستش، شہر روم کا جشنِ بنیاد اور نیز جمہوریہ سے اپنی وفاداری کا اعلان ہوتا تھا، ان موقعوں پر عیسائی جس طرح اپنے کو الگ تھلگ رکھتے تھے، اس سے ان شرک آمیز رسوم سے نفرت کے جذبے کا اظہار ہوتا ہے، تیوہاروں کے موقع پر یہ عام رسم تھی کہ دروازوں کو چرائیوں اور ٹہنیوں سے سجایا جاتا اور سڑن پڑھوں کے گجرے لپٹے جاتے، بظاہر یہ ایک بے ضرر جز اور اظہارِ مسرت کا ایک قدقدنی طریقہ معلوم ہوتا ہے، لیکن بد قسمتی سے دروازوں کو اس لئے سجایا جاتا تا کہ انکی پاسبانی کرنے والے دیوتا خوش ہوں، سروں پر گجرے اس لئے لپیٹے جاتے کہ بچوں کے گجرے دیوی (DAPHNE) کے عاشق کو عزیز تھے، اور غم و خوشی کے موقع پر ان کا استعمال اسی اوہام پرستی کا نتیجہ تھا۔

ایمان کو عزیز رکھنے والا عیسائی جسے اکثر اپنے ملک کے دستور کے مطابق، یا حکام کے احکام کی پابندی میں ان رسوم کی پابندی کرنا پڑتی

اپنے ضمیر کے خوف پر چرچ کی ملامت اور خدائی قہر کے ڈر سے لرزہ برانداز
رہتا تھا۔

علامہ ابن تیمیہ کی رائے ہے کہ غیر اسلامی تقریبات میں شرکت کسی طرح جائز
نہیں، ان کا استدلال واستنباط (INFERENCE) تابعین کی ان تصریحات
پر مبنی ہے، جو انھوں نے "وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزَّكَاةَ" وَإِذَا أُمِرُوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا
كِرَامًا ۖ (۲۱۲ھ) کی تفسیر میں لکھی ہیں۔ انھوں نے زور "میں غیر مسلموں کی تقریبات
کو بھی مراد لیا ہے، ابو بکر انخلال نے جامع میں محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے کہ زور
عیسائیوں کی عید شتامین ہے، مجاہد کہتے ہیں "ہذا عیاد المشرکین" یہ مشرکوں کی
عید کو کہتے ہیں، ربیع بن انس "بھی ہی رائے رکھتے ہیں، عکرمہ فرماتے ہیں: "حب کان
لہم فی الجاہلیۃ" (یہ ایک جاہلی کھیل تھا) قاضی ابویعلیٰ بھی اس سے عید
کفار ہی مراد لیتے ہیں، ابوشیخ اصضانی نے ضحاک سے بھی ہی رائے نقل کی ہے، لیکن
ابونان نے ان کی رائے کلام جاہلیت کے بارے میں نقل کی ہے، عمرو بن مرہ سے
انھوں نے اس کا مطلب عیدوں میں شرکت نقل کیا ہے، اور عطاء بن یسار سے حضرت
عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ "ایاکم درطائۃ کلاء لجمہ وان تدخلوا علی المشرکین
یوم عیدہم فی کنائسہم" (نہ عجی زبان بولو اور نہ ان کی عید کے دن غیر مسلم
عبادت گاہوں میں جاؤ)

علامہ نے لکھا ہے کہ مفسرین کے اس باب میں مختلف اقوال آئے ہیں وہ

GIBBON: DECLINE & FALL OF THE ROMAN EMPIRE ۱۱

VOL. 2 P. 18 (LONDON - 1809)

در اصل مختلف نہیں بلکہ اصلاً ایک ہی حقیقت کے مختلف پیرائے بیان ہیں، جو انھوں نے مخاطب کے حالات کے پیش نظر جواب میں دیئے، کوئی کالے کا شائق تھا تو اسے کہا کہ اس کا مطلب یہی ہے کوئی تماشا پسند تھا تو اسے بتایا کہ اس کا مطلب یہی ہے، جن میں حاضری اس آیت سے منع ہے، البتہ بعض مفسرین نے اس کا مطلب جھوٹی گواہی سے بھی لیا ہے، لیکن ابن تیمیہ اس کو نحوی ترکیب کے اعتبار سے غلط سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شہادت کا صلب "ب" سے آتا ہے اس لئے "بالوحد" ہونا چاہئے تھا، اور ایسا نہیں ہے تو وہ حضوری کے معنی میں ہے، جیسے ابن عباس کہتے ہیں: "وشہدت العید مع رسول اللہ" (میں عید میں حضور کے ساتھ گیا) حضرت عمرؓ نے فرمایا: "الغفوة لمن شهد الواقعة" (غفیت اس کے لئے ہے جو محاذ پر رہا ہو) لیکن اس خیال کے مفسرین کے لئے بھی اس طرح گنجائش ہے کہ زور میں غلات واقع ہونا دونوں میں مشترک ہے، اس کے بعد وہ اس آیت پر اسے دیتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے عیدوں میں تماشائی اور حاضری منع کر دی تو عملاً انھیں منانا کہاں جائز ہو سکتا ہے؟ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ آیت کا غالب مفہوم بھی یہی عملی طور پر عیدوں کا منانا ہی ہے جیسے قول زور (جھوٹ اور دوسری تمام غلط باتوں) سے کہتے ہیں: "کہا گیا" اِنَّهُمْ لَيَقُوْنُوْنَ مِنْكَ اٰتِيْنَ الْقَوْلِ وَرُوْدًا ۝۵۸

احادیث میں امتناعی احکام

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضور سرور عالمؐ جب مدینہ تشریف لائے تو سال میں دو دن جاہلی عید کا رواج دیکھا اور یافت کرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

نے تمہارے لئے اس سے بہتر دو عیدیں مقرر کی ہیں (ابوداؤد، احمد، و نسائی)
 ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں تبدیلی کا لفظ بتاتا ہے کہ جب یہ دونوں
 عیدیں جاہلی عیدوں کی جگہ مقرر ہوئیں تو وہ عیدیں خود بخود منسوخ ہو گئیں اور
 غسوخ کی بجائے پھر ان میں شرکت کا مطلب اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہی ہوگی۔
 وہ فرماتے ہیں کہ جاہلی عیدوں کا خاتمہ بتاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے سختی کے ساتھ اس حکم
 پر عمل درآمد کرایا ہوگا، ورنہ اس کے بغیر پرانی روایت کا یکسر ترک کر دینا انسانی فطرت کے
 خلاف ہے ابوداؤد میں ثابت بن ضحاک کی روایت ہے کہ عہد نبوی میں کسی نے نذرانی
 کہ وہ بوانہ کے پاس ایک اونٹ ذبح کرے گا چنانچہ حضورؐ سے جب اس نے اس کے
 بارے میں پوچھا تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہاں کوئی بت تو نہ تھا؟ لوگوں نے کہا
 نہیں! پھر پوچھا کوئی جاہلی عید تو منعقد نہیں ہوتی تھی؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں اب
 فرمایا اپنی نذر پوری کرو اس لئے کہ صرف وہ نذر نہیں پوری کرنا چاہئے جس میں مصیبت
 ہو اور وہ جو ابن آدم کے اختیار سے باہر ہو (صحیحین)

ابوداؤد میں میمونہ بنت کرم کی روایت ہے کہ میں حج میں حضورؐ کے ساتھ تھی
 حضورؐ کو میں نے ایک اونٹ پر سوار دیکھا اور آپؐ ہاتھ میں تعلین کی طرح کا ڈرو لے رہے
 تھے۔ میرے والد نے قریب جا کر پائے مبارک تھام لیا اور عرض کیا کہ حضورؐ! میں نے
 نذرانی تھی کہ اگر میرے ہاں اولاد نرینہ پیدا ہوگی تو بوانہ میں چند اونٹ ذبح کروں گا
 آپؐ نے یہ معلوم کر کے کہ وہاں کوئی بت نہیں، انھیں ایٹھے نذر کا حکم دیا، ابوداؤد میں
 بوانہ کے معظہ کے قریب شیبہ کے پاس ایک جگہ ہے جس کے متعلق وضاح المین کہتا ہے:

ایا غلّتی وادی بوانہ مجنّذا اذا نام حتر اس المخیل جنانکا

عمر بن شعیب کی روایت ہے کہ ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے آپ کے پاس دُف بجانے کی نذر مانی تھی، آپ نے فرمایا نذر پوری کر لے پھر اس نے کہا کہ میں فلاں مقام پر قربانی بھی کرنا چاہتی ہوں آپ نے اطمینان کرنے کے بعد اس کی بھی اجازت دیدی۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جب جاہلی میلوں اور عبادت گاہوں پر کسی عقیدہ مندانہ حاضری کو منع کر دیا گیا تو خود جاہلی عیدوں میں شرکت بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگی۔

[عید "عودت" سے نکلا ہے جس کا مطلب لوٹنا اور بار بار آنا ہے، عید کو عید سے کہتے ہیں کہ وہ ہر سال آتی ہے منیٰ کتاب ہے:-

عیدُ بایۃِ حالِ عدتِ یا عید

جماعتی؟ ام لاہ فیہ تجدید؟

عید میں اجتماعی اور عوامی میلہ کی کیفیت بھی ضروری ہے جسے لوگ سال، ہفتہ، ہفتہ میں مناتے ہوں، جمعہ کے لئے حضورؐ نے فرمایا کہ اسے اللہ نے مسلمانوں کے لئے عید کا دن بنایا ہے، عید اجتماع اور عبادت و اعمال کے لئے بھی آتا ہے، جیسے ابن عباسؓ کہتے ہیں: میں حضورؐ کے ساتھ عید میں حاضر ہوا، اور کسی خاص مکان کے لئے بھی آتا ہے، جیسے حضورؐ نے فرمایا میری قبر کو عید نہ بنانا، اور کبھی سب کے لئے ایک ساتھ بولا جاتا ہے، جیسے حضورؐ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا: ابو بکر! انھیں گانے دو ہر قوم کے لئے عید ہوتی ہے، اور یہ ہماری عید ہے۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ بعض جاہلی حمدیں اور عید گاہیں بھی تھیں جو مذہبی نہیں تھیں، بلکہ کھیل تماشوں اور سیلوں کی جگہیں تھیں لیکن آپؐ نے ان سے بھی

روک دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار و مشرکین کی چھاپ لگی ہوئی کوئی چیز حدود اسلامی میں
سکر رائج نہیں بن سکتی۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ عید کے دن میرے
ہاں دو بچیاں کچھ کاری تھیں کہ اتنے میں میرے والد تشریف لائے اور اس پر ناپسندیدگی
کا اظہار کیا لیکن حضورؐ نے فرمایا کہ ابو بکرؓ ان سے درگزر کرو، ہر قوم عید مناتی ہے اور آج
ہماری عید ہے، ایک روایت میں ہے: ”عہم ایابا بکر فانہا ایام عید و تلاق
الایام ایام منی“ (ابو بکر اچھوڑو بھی، یہ عید کے دن ہیں، اور یہ دن حج و قربانی
کے دن ہیں)۔

شیخ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے: ”ان لکل قوم عیداً“، تو یہ ایسا ہی ہے
جسے قرآن میں کہا گیا:

وَلِكُلِّ قَوْمٍ حِجَّةٌ ۚ هُوَ مَوْجِدُهَا (۱۳۸:۲) ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے جس کا وہ رخ
کرتا ہے۔

یا حبیبے ارشاد ہوا:

لِكُلِّ قَوْمٍ مِلَّةٌ شَرْعَةً وَكُنْهَاجًا۔ ہم نے سب کے لئے شریعت و طریقت
بنائی ہے۔ (۴۸:۵)

یہ فلسفہ تاریخ کے مسلمات میں داخل ہے کہ ہر قوم ایک ممتاز تہذیبی خصوصیت
کی حامل اور مخصوص طرز زندگی پر حامل رہی ہے اس لئے جس طرح ہم غیروں کے دین و
شریعت میں شریک نہیں، تہذیبی شعائر میں حصہ دار نہیں اسی طرح ان کی عیدوں، میلوں
اور تیواروں سے بھی ہمیں الگ رہنا ہے، حدیث میں ”هَذَا عِيدُنَا“ (یہی ہماری
عید ہے) کا جملہ صراحتاً بتاتا ہے کہ اس کے سوا ہمارے لئے اور کوئی عید نہیں۔

حدیث میں ارشاد ہوا:

یوم عرفہ، ویوم النحر، ویام منیٰ یوم عرفہ یوم قربانی، اسلام تشریق ہم
عیدنا اہل الاسلام وہی ایام اکمل اہل اسلام کی عید کے اور کھانے پینے کے
و شرب (ابوداؤد نسائی ترمذی) دن ہیں۔

شیخ الاسلام نے ایک تاریخی حقیقت سے استدلال کیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں
یہود و نصاریٰ اور دوسری قومیں آباد تھیں اور قوی پیلے پر اپنے تیوہار بھی مناتی تھیں
لیکن آنحضرتؐ کے حکم کے بعد کوئی مسلمان کبھی ان تیوہاروں سے متعلق نہیں ہوتا تھا،
اس سے یہ بات فطرۃ طے ہو جاتی ہے کہ جب صدر اسلام میں غیر اسلامی تقریبات سے
علحدگی ہی اختیار کی گئی تو وہی طرز عمل آج بھی ہمارے لئے نمونہ رہے گا۔

اگر ان تقریبات میں کسی مسلمان کا تفریحاً جانا ثابت بھی ہے تو وہیں بھی ہے کہ
حضرت عمرؓ نے اس کے خلاف حکم انتاعی جاری کیا تھا۔

فجر اسلام میں کس طرح مسلمانوں کے ذہنوں میں نئی قومی عید کا تصور بٹھا آگیا
اس کا اندازہ دو حدیثوں سے ہوگا، صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ
حضورؐ نے فرمایا:

فمن الاخرین السابقون یوم النبی
بید انہم او تو الکتاب من قبلنا و او تینا
من بعدہم فہذا یومہم الذی
فرض اللہ علیہم فاختلغوا فیہ
فہذا لنا اللہ لم فالتاس لنا فیہ
ہم آفریں ہو کر بھی اولیٰ رہیں گے مہا اس کے
کہ انھیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی، لیکن
جمعہ کے دن میں انھوں نے اختلاف کیا
اور اشر نے ہماری صحیح رہبری کی اس لئے
لوگ اس معاملے میں ہمارے تابع ہیں،

تبع: اليهود وغداً أو النصراني بعد غداً
یہودی کچھ کر اور عیسائی آؤ اور کو یوم جمعہ کے بعد

دوسری روایت:

اضل الله عن الجمعة من كان قبلنا
فكان لليهود يوم السبت والنصارى
يوم الاحد فجاء الله بنا فهدانا ليوم
الجمعة فجعل الجمعة والسبت والاحد
وكذا الله تتبع لنا يوم القيامة نحن
الاخرون من اهل الدنيا والاخوان
يوم القيامة المقضى لهم (سلم)
انگلی استوں کو جمعہ سے خدا نے فاضل کر دیا،
یہود شنبہ کو اور نصاری یکشنبہ کو جمعہ
سمجھ بیٹھے لیکن اللہ نے ہمیں جمعہ کا ہر دار
بنایا، اسی طرح وہ قیامت میں بھی ہمارے
تابع ہوں گے، ہم دنیا کی آخری امت
ہیں لیکن قیامت میں ہمارا حساب سب سے
پہلے ہوگا۔

دوسری حدیث میں ہے:

ان هذا كلامه اول من يدخل
الجنة من الامم وان محمداً
اول من يفتح له باب الجنة،
یہ امت سب سے پہلے جنت میں جائیگی
اور محمد رسول اللہ پہلے شخص ہوں گے جن کے لئے
باب جنت کھلے گا۔

حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ کریم کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ اور دوسرے
اصحاب نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس یہ سوال بھیجا کہ آنحضرتؐ کس دن
زیادہ روزہ رکھتے تھے؟ انھوں نے کہلایا کہ شنبہ و یکشنبہ کو زیادہ تر روزے رکھتے اور
فرماتے کہ یہ یہود و نصاریٰ کی عید کے دن ہیں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ روزہ رکھ کر
ان کی مخالفت کروں۔ (انھما یوم عید للمشرکین فانما احب ان لا یخالقہما)

(احمد رضاؒ)

مسئلہ پر صحابہ کا اجماع

حضرت عمرؓ نے ذمیوں پر شرط لگا دی تھی کہ وہ اپنی عیدوں اور تہواروں کا نظاہرہ نہیں کریں گے اور تمام صحابہؓ بھی اس فیصلے میں ان کے ساتھ تھے اس سے معلوم ہوا کہ جب اس میں اتنی شدت ہے کہ خود غیر مسلموں کو اسلامی سلطنت میں اس کے اظہار کی اجازت نہیں تو خود مسلمانوں کا اس میں شریک ہونا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے، ابو شیخ اصہبائی کی روایت عطار بن یساریا بن دینار سے ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: نہ عجی بولی بلو نہ عید کے دن ان کے گرجوں میں جاؤ۔ یہی قول نے ہی روایت کی ہے جس میں اس کی علت یہ بتائی گئی ہے کہ ان پر غضب نازل ہوتا ہے، سیفان ثوریؒ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

من بنی ببلادہم ولا عجم و منع یروزم جو عجم میں رہا سہا نوروز اور دوسری عیدیں ملانا
و مہرجانہم و تشبہ بہم حتی یموت اعدان کا نقل کرنا راجحی کہ مر گیا تو وہ زیارت
و هو کذلک: حشر معہم الی القیامۃ میں انہی کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

حضرت عمرؓ سے دوسری روایت ہے کہ:

اجتنبوا اعداء اللہ فی عیدہم خدا کے دشمنوں کی عید سے بچو۔

محبوبین سیرینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے نیروز کے موقع پر اپنی زبان سے یہ لفظ بھی کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

شیخ الاسلام نے امام ابوالحسن آمدیؒ معروف بہ ابن البغدادی کی کتاب عمدة المحاضرہ کفایۃ المسافرؒ سے ایک اقتباس نقل کیا ہے:-

امام احمد کے ہاں ان تقریبات میں شرکت ممنوع ہے، لیکن عید کے دن ان کے بازاروں میں خرید و فروخت کے لئے جایا جاسکتا ہے (خامامایباع فی الاسواق من الماکل فلاوان قصد الی توخیر ذلک وتحسینہ لاجلہم) اسی سے معلوم ہوا کہ مسلمان دکانداران عیدوں میں غیر مسلموں کے لئے اپنی دکان لگا سکتے ہیں، خلائی اپنی جامع میں لکھتے ہیں کہ منہانے اپنے ائداد امام احمد سے پوچھا کہ مسلمان غیر مسلم تقریبات میں گائے، بکریاں، غلام، جو، گیسو وغیرہ کی تجارت کے لئے جاتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟ امام نے فرمایا کہ اگر عبادتی جگہوں پر نہیں جاتے تو جائز ہے۔

غیر اسلامی زبانوں کا مسئلہ

ابو محمد کرمانی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے عجمی مہینوں کے نام کے متعلق پوچھا تو انھوں نے اسے سخت ناپسند کیا۔

لے عربی زبان وہ واحد زبان ہے جسے احادیث میں اسلامی زبان کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے، اسکے علاوہ فارسی، اور اردو دنیا کی وہ زبانیں ہیں جن کا خاص تعلق مسلمانوں سے ہے اور مسلمان انھیں دوسری اسلامی زبانیں سمجھتے ہیں، لیکن بہر حال وہ عربی کے تقدس کو نہیں پہنچ سکتیں، زبان کے سطر میں ہمارے اسلاف نے کبھی تنگ نظری سے کام نہیں لیا، احمد نبوی میں کئی صحابیوں کے نام ملتے ہیں جو عربی ہرانی، قطعی، رومی، حبشی زبانیں جانتے تھے، لیکن ایک ہے زبان کو خدمت دین اور اشاعت حق کے لئے سیکھنا اور استعمال کرنا اور ایک ہے ان سے مرعوب ہو کر ورمانے کا پلن دیکھنا انھیں اپنا نا، اسی دوسری صورت کو فقہاء اور علمائے اسلام نے غلط بتایا ہے، جو کسی تعصب کی دلیل نہیں بلکہ قوی خودی کی خطا کے لئے مروجہ ہے، یورپین زبانوں اور خصوصاً انگریزی سے تعلق خاطر رکھنے والوں نے (باقی صفحہ)

حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ وہ آذر ماہ اور دی ماہ کہنا مکروہ سمجھتے تھے، ابو محمد نے ان سے پوچھا کہ اگر کسی کا نام ہی ایسا ہو تو کیا وہ لیا جاسکتا ہے؟ آپ نے اسے کبھی (باقی صفحہ کا) جس طرح اسلامی تہذیب قطع تعلق کیا وہ اب تک مشاہدہ میں آتی رہتی ہے۔

اب یہ طے شدہ ہے کہ زبان و ادب کسی قوم کی روح کا آئینہ ہوتے ہیں اور اس کی تہذیب تمدن کا ایک لازمی عنصر ہے کسی غیر زبان کو اپنانے کا مطلب روپی باتیں ہو سکتی ہیں کہ یا انسان اخلاص کے ساتھ صرف زبان کی حد تک اس سے اعلائے حق کا کام لینا چاہتا ہے یا پھر ذہنی اور نفسیاتی طور پر اس زبان سے وابستہ ہونے والی قوم سے مرعوب ہے، فقہائے احناف نے زبان کے مسئلے میں اتنے توسع سے کام لیا ہے کہ اگر کوئی عربی کوشش کے باوجود نہیں بول سکتا تو وہ اپنی عربی زبان ہی میں نماز پڑھ سکتا ہے، ورنہ جس حد تک انسان عربی استعمال کر سکتا ہے اسے کرنا چاہیئے۔

آگے ائمہ اور علماء کے جو بیانات غیر عربی زبانوں کے سلسلے میں آئیں گے ان سے پہلے یہ ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ ان لوگوں نے یہ رائے اس خیال سے ظاہر کی تھیں کہ اسلام عر قی م اور عربی زبان کے واسطے سے پھیل رہا تھا اگر شروع میں عربی ثقافت کو یہ اہمیت نہ دی جاتی اور عربی زبان پر یہ زور نہ دیا جاتا تو اسلامی ثقافت کو نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ تھا۔ صدر اول کے مسلمانوں کی فطری طور پر یہ خواہش تھی کہ اسلام جس زبان کے ذریعہ ہم تکمّل آیا ہے ہم اسکی حفاظت کا سامان کریں، اگر اس وقت وہ اس پر زور دیتے تو نہ عربی زبان محفوظ رہتی اور نہ اس میں موجود اسلامی تعلیمات کا ذخیرہ اسکے علاوہ ان لوگوں کو منافقوں اور سازشی لوگوں کا سامنا تھا جو دوسری زبانوں میں ادب کا مطلب اور اختلاسے حال کرتے تھے اسلئے بھی دوسری زبانوں کے معاملہ میں سخت رویہ اختیار کیا گیا۔

بعد میں جب یہ روش نہ نکلا اور دوسری زبانوں میں بھی اسلامیات کا ذخیرہ ہو گیا تو دوسری زبانوں کو بھی رعایتیں ملیں حتیٰ کہ ان کا اعظم نے بھی زبان میں اہم تحریر تک کی اجازت دیدی (مرتب)

مکروہ سمجھا انھوں نے کہا کہ میں نے اسحاق سے پوچھا تو انھوں نے کہا اگر ان میں کوئی مکروہ (یعنی خلاف اسلام) نام نہ ہو تو گنجائش ہے، ابن المبارک "یزداں" کی حلف کو مکروہ سمجھنے اور فرماتے تھے کہ مجھے ڈر رہتا ہے کہ ان ناموں میں غلط مشرک نہ تصور آئے ہوں شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ عجمی ناموں کی کراہت کی دو وجہیں ہیں، ایک یہ کہ ہو سکتا ہے کہ وہ مشرک نہ ہوں اسی ڈر سے عجمی زبانوں کے گندے تعویذ مکروہ ہیں کراہت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے آدمی دوسری زبانیں بولنے کا عادی بن جاتا ہے اور عربی کی اہمیت اس کے دل سے نکل جاتی ہے، مالانکہ عربی اسلام کا شعار اور مسلمانوں کا وقار ہے، اور زبان یوں بھی کسی قوم کا سب سے بڑا امتیاز اور اعزاز ہوتی ہے۔

فقہاء کے ہاں نماز کو غیر عربی میں پڑھنے میں اختلاف ہے، لیکن اس کے تین درجے کئے جاسکتے ہیں ایک قرآن، دوسرے اذکار واجبہ جیسے تحریمہ اور سلام و تشہد ان کے ہاں جو انھیں واجب کہتے ہیں، پھر تیسرے درجے میں دعا، تسبیح، تکبیر وغیرہ۔

قرآن کا حکم یہ ہے کہ اسے غیر عربی میں نہیں پڑھا جاسکتا، خواہ قدرت ہو یا نہ ہو اس سے کوئی بحث نہیں، اذکار واجبہ میں بھی امام احمد امام مالک اور اسحاق کی رائے ہے کہ ان کا ترجمہ بھی نہیں کیا جائیگا، امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ جائز ہے امام ابو یوسف امام محمد اور امام شافعی بھی یہی کہتے ہیں، اور دوسرے اذکار میں بھی علماء کی تصریحات یہی ہیں کہ ترجمہ نہ ہوں گی بلکہ اس سے نماز باطل ہو جائیگی، یہی امام مالک، اسحاق اور بعض اصحاب شافعی کا قول ہے، لیکن امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ مکروہ ہے لیکن نماز باطل نہ ہوگی، اور اصحاب امام احمد معذور کے لئے ترجمہ کی اجازت دیتے ہیں اور دوسرے احکام میں عجمی زبان سے جو فرق پیدا ہوتا ہے ان کی تفصیلات فقہ میں

مذکور ہیں۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ دوسرے فنون میں غیر اسلامی زبانوں کا استعمال اگر لاعلمی کے ساتھ ہو تو ناروا ہے اور زبان سے واقفیت کی حالت میں بھی امام احمدؒ سے مکروہ سمجھتے ہیں، امام احمدؒ سے نمازیں دعا کے لئے ان زبانوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہیں بری زبان (لسان سوء) قرار دیا، امام مالکؒ فرماتے ہیں بھی زبان میں نہ تحریرہ باعدہ، نہ دعا مانگے، نہ قسم کھائے۔

سلفی نے امام شافعیؒ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اللہ نے کاروباری لوگوں کو تاجر کا عربی رسول اللہؐ بھی اس قوم کے لئے "تجار کا لفظ استعمال کرتے تھے، لیکن سمسارہ" عجمی لفظ ہے اس لئے ہم عربی جانتے والوں کی زبان سے یہ لفظ سننا نہیں چاہتے، کیونکہ اللہ کی محبوب زبان عربی ہے۔

ابو بکر ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت عمرؓ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ما تعلم الرجل الفارسیۃ الاختب، ولا خب رجل الا فقصت من وعتہ (کوئی فارسی پڑھتا ہے تو وہ جیل باز ہو جاتا ہے اور جو ایسا ہو اس کی شرافت میں نقص آیا) اس میں سعد بن ابی وقاصؓ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے کسی کو فارسی بولتے دیکھ کر فرمایا: ما بال المجوسیۃ بعد الخنیفیۃ؟ (دین خالص کے بعد یہ مجوسیت کہاں سے آگئی؟) سلفی ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: من یمسن ان یتکلم

لہذا اس وقت کہا گیا تھا جب ایران تازہ تازہ فتح ہوا تھا اور ملکی مصارعہ کے مقتضی تھے کہ عربی کو سرکاری زبان کے طور پر رائج کیا جائے تاکہ خود مسلمان قاری زبان سمجھنے لگیں، چنانچہ اموی دور میں بہت سے ایرانی دفاتر میں بھی کام کرنے لگے اور پھر فارسی آگے چل کر عربی کے بعد دوسرے نمبر کی اسلامی زبان ہو گئی (مترقب)

بالحریۃ فلا یتکلم بالعجمیۃ فانہ یورث النفاق (جو اچھی طرح عربی بول سکتا ہے وہ عجمی نہ بولے کہ یہ نفاق پیدا کرتی ہے) انہی کی دوسری روایت ابن عمر کے واسطے سے حضرت عمرؓ سے اسی طرح ہے، اکا دکا عجمی لفظ یا کبھی کسی ضرورت پر غیر عربی کا استعمال بالکل جائز ہے، اسلاف سے اس کی روایت ملتی ہے، ابوخلدہ کہتے ہیں، ابو العالیہ نے مجھ سے فارسی میں گفتگو کی، منذر الثوری کہتے ہیں کسی نے محمد بن الحنفیہؓ سے "خبر" کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ایک جاریہ کو خرید کر لانے کا حکم دیا اور دکھایا، مخاطب کی رعایت سے تو خود آنحضرتؐ سے غیر عربی زبانوں میں کلمات ثابت ہیں، ام خالد بن عبد اللہ بن سعید بن العاص حبشہ کی ایک کم عمر ماہرہ تھیں واپسی پر انھیں حضورؐ نے ایک قمیص پہنائی اور فرمایا: یا ام خالد ہذا اسنا (ام خالد! یہ سننا ہے) سنا، حبشی میں حسن کے لئے آسانا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ کسی کو درد شکم میں مبتلا دیکھ کر حضورؐ نے فارسی میں دریافت فرمایا: شکم درد بھی کیا پیٹ میں درد ہے؟ ان استثنائی حالتوں کے علاوہ کسی غیر زبان کا مادری زبان بنالینا انفرادی سطح پر پرمو یا اجتماعی طور پر یہ حالت میں مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ کھلا ہوا تشبیہ اور صراحتہ ذہنی غلامی اور مرعوبیت ہے جس کا ایک منٹ کے لئے بھی اسلام روادار نہیں ہو سکتا، اسی لئے اگلے مسلمان جب مصر و شام آئے تو انھیں رومی زبان سے واسطہ پڑا، عراق و خراسان میں فارسی سے سابقہ ہوا، افریقہ میں بربری سامنے آئی لیکن ان کی تین آفریں اور تاریخ ساز ہمتوں نے ملہ ابن جری کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک بار حضرت ابوہریرہؓ کو پیٹ کے بل لیٹے دیکھا تو فرمایا (شکم درد) کیا پیٹ میں درد ہے؟ انھوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا کہ تو کھڑے ہو کر کچھ نماز پڑھ کر نماز شفاء (تغییر کن نماز) (ترجمہ)

عربی کو اس طرح رائج کیا کہ دوسری زبانوں کا پتہ بھی نہ چلا، اس کے بعد طائوس و رباب کے دور میں انھوں نے زبان کے معاملے میں غفلت برتنا شروع کی جس کے نتیجے میں مقامی زبانیں سر اٹھانے لگیں شیخ فرماتے ہیں:

واعلم ان اعیاد اللغة یوشق فی عقل
والخلق والذین تاثیر اقویا بیئنا
ودیوثر الیضا فی مشاہیة صدره ذہ
الامہ من الصحابة والتابعین ومشا
تزیل العقل والذین والخلق والیضا
فان نفس اللغة العربیة من الذین
ومعرفها فرض ولجب فان فهم
الکتاب والسنة فرض ولا ینفک لافهم
اللغة العربیة ولا ینتم الواجب
الایہ فهو واجب۔

عربی زبان عقل، اخلاق، اور دین پر کھلے طور پر اثر انداز ہو سکتی ہے اور صحابہ و تابعین کی مشابہت پر بھی ابھار سکتی ہے جو عقل و خلق اور دین میں ترقی کا باعث ہوگی اس لئے یہ زبان دین کا جز ہے، اور اس کا جاننا فرض اور واجب ٹاس لئے کہ کتاب و سنت کا فہم فرض ہے جو عربی جانے لیر نہیں ادا ہوتا، اور جس سے کوئی واجب پورا ہوتا ہو تو وہ چیز بھی واجب ہو جاتی ہے۔

ابو بکر ابن ابی شیبہ نے مصنف میں لکھا کہ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا:

اما بعد فتفقہوا فی السنة وتفقہوا
فی العربیة واعریدوا القرآن فانه عربی
سنت کا علم حاصل کرو اور عربی کا علم بھی اور قرآن کو صحت کے ساتھ پڑھو کہ وہ بھی عربی میں ہے۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے تعلموا العربیة فانہا من دینکم وتعلموا الفرائض فانہا من دینکم (عربی اور علم الفرائض سیکھو یہ تمہارے دین کا جز ہیں)

غیر اسلامی عیدوں کی تفصیلی نظر

غیر اسلامی عیدوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ غیر اسلامی تہذیبوں کا سب سے بڑا رمز اور ان کی سب سے بڑی علامت (Symbol) ہوتی ہیں اس لئے ان میں شرکت کے معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ مسلمان سب سے بڑے شواہد کفر اور علامتِ شرک کو اپنا لے بلکہ تمثیلی طور پر یوں کہنے کہ یہ تیوہار بھی غیر اسلامی شریعت و شواہد ہیں جنہیں اسلام نے منسوخ کر دیا ہے کہ (ہم بچہ شتر است) ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ ان عیدوں میں شرکت کم از کم بدعت کے از کتاب سے قریب تو یہی ہے، اس لئے ہم مانتے ہیں کہ مسلمان انکے خالص عبادتی پروگرام میں شریک نہیں ہوتا، لیکن دوسرے کھیل تماشے اور آرائش و نمائش تو بہر حال عید ہی کا حصہ ہیں، اس طرح ان میں جانا بھی شرکت ہی کے ہم معنی ہے ان تیوہاروں پر ایک اور طرح سے سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہم اگر شرکت کی کوئی صورت جائز کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دھیرے دھیرے عام شرکت کی اجازت بھی دیتے ہیں اس لئے کہ رفتہ رفتہ عوام اس میں دھپسی لینے لگیں گے اور پھر وہ کسی کے روکے نہیں رکھیں گے، چنانچہ صوم نصاریٰ کے خاتمہ پر بعض علاقوں کے مسلمان بھی ان کے ساتھ خوشی مناتے اور عید البقر عید سے بڑھ کر اہتمام کرتے تھے، خود میں دُشمن و غیہ میں دیکھا ہے کہ لوگ کس طرح حدود کو توڑتے ہیں (حالانکہ یہ وہ شہر ہے) جہاں علم و ایمان کی کمی نہیں۔

سنا ہفتوں کے روزے کے آخر میں نصاریٰ پنجشنبہ مبارک جس کو غالباً MAUNDY کہا جاتا ہے

اے اگر اسکی روایت یہ ہے کہ اسی میں حضرت یسوع نے شاگردوں کے پاؤں دھوئے تھے اور یسوع ۴۰ دن کا تھا ہے جسکے آخر میں مارا گیا ہے۔

مناتے ہیں، جو شمسی سال کے کسی حصہ میں بھی پڑ سکتا ہے اس لئے کہ اس کی کوئی تحدید نہیں، جیسے وہ جمعرات جو نسیان (اپریل) کے شروع میں منائی جاتی ہے، بلکہ وہ ۳۳ دنوں میں بھی پوری ہو جاتی ہے، جس کی پہلی شہاد (فروری) کی دوسری سے پہلے اور آذار (مارچ) کی دوسری کے بعد نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس میں شمسی اور قمری دونوں تاریخوں کا لحاظ رکھتے ہیں، لیکن یہ سب تیوہار بدعت ہیں اس لئے کہ شریعت عیسوی میں تمام اوقات چاند ہی سے متعین کئے گئے تھے، اسی طرح جمعہ، صلیب کے مقابل "جموہ صلیبوت" مناتے ہیں اسی سے متصل دوسرے دن شنبہ کی رات مناتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس رات میں مسیح قبر میں تھے، اسے وہ "لیلۃ النور" اور صبت النور بھی کہتے ہیں، اس رات ایک خر تہ مناتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ وہ نور کیمتہ القامہ (بیت المقدس) میں نازل ہوتا ہے، جسے وہ اپنے ہاں لاتے ہیں، پھر یکشنبہ کو عید کبیر (EASTER SUNDAY) ہوتی ہے، جس میں سمجھا جاتا ہے کہ مسیح بھی اٹھے تھے، پھر اس کے بعد والے اتوار کو یکشنبہ جدید (NEW SUNDAY) کے طور پر مناتے ہیں، چربی اور ذی روح کے گوشت سے پرہیز کرتے اور پھر انڈا، گوشت اور دودھ سے افطار کرتے ہیں، اس طرح کی اور دوسری بدعتوں کا وہ ارتکاب کرتے ہیں، اس کا ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہودی اگرچہ کسی نئی شریعت اور نئے رسول کے قائل نہیں اور نہ نسخ مانتے ہیں، لیکن عیسائی اس کے قائل ہیں، اور اپنے پوپ، پادریوں کو شریعت میں تبدیلی کی اجازت دیتے ہیں۔

یہ تفصیل اس لئے ضروری تھی کہ مسلمان بھی ان کے زیر اثر آچکے ہیں اور وہ بھی اس موقع پر اپنے قبرستانوں میں چراغاں کرتے اور بخود جلاتے اور سمجھتے ہیں کہ اس سے

برکت ہوگی اور صلیب کا نشان بھی بنا لیتے ہیں، اور تو اور بعض لوگ زبردستی چندے سے یہ تقریبات مناتے ہیں اس طرح وہ ال مسلم کے غضب اور اقامتِ باطل دونوں جوہوں کے مرکب ہو جاتے ہیں، بعض لوگ ان مواقع پر خاص رنگوں سے گھروں کو نگٹے ہیں جو کسی عظیم منکر سے کم نہیں ہوتا۔

اسی طرح نصاریٰ اپنے روزے کی آخری جمعرات اور جمعہ کو بڑی دھوم سے مناتے ہیں اور روزے کے پہلے اتوار کو عیدِ شانین مناتے ہیں جس میں برگِ زیون نکالے جاتے ہیں وہ اس کی یادگار ہوتے ہیں کہ مسیح جب بیت المقدس آئے تو یہودیوں نے انھیں ستانے کے لئے اوباشوں کو بھیجے گا دیا تھا، انھوں نے جب لاٹھیاں اٹھائیں تو ان میں پتے نکل آئے جس پر انھوں نے توبہ کی اور اپنے ارادے سے باز رہے۔

جمعرات کو وہ عید المائدہ (Holy Communion, or, Last Supper) اور اتوار کو عید الفصح (Easter) کے طور پر مناتے اور رنگے ہوئے انڈے تقسیم کرتے ہیں، چھوٹی چیزوں میں غفلت کا انجام یہ ہوا کہ بعض لوگ کفر صریح تک بھی پہنچ گئے جیسے صلیب سے تبرک حاصل کرنا، اوبستہ دینا، یا کسی کا کتنا کہ معبود تو ایک ہی ہے لیکن اس تک پہنچنے کے راستے مختلف ہیں، یہ سب باتیں بلا اختلاف کفر باشر اور انکارِ اسلام ہیں، "سید ذرائع" شریعت کا متفق علیہ جزئیہ ہے، میں نے اپنی کتاب ۳۴ امامۃ الدلیل علی بطلان التحلیل میں اس کے ۳۰ دلائل لکھے ہیں، اور عیدوں کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ کس طرح عقیدہ و عمل پر اثر انداز ہوتی ہیں اس لئے

ہر مذہب و تہذیب میں ان کا ایک خاص مقام رہا ہے:

وَلِكُلِّ مَذْهَبٍ مِّنْهُمْ نَاسِكٌ
ہم نے ہر امت کے لئے اجتماعی دن بنائے

(۶۷:۳۲) جنہیں لوگ جمع ہو کر مناتے ہیں۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنَسَكًا لِّذِكْرِهَا
ہم نے ہر امت کے لئے ایام حج بنائے

أَسْمَاءُ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّنْ يَّوْمِهِ
تاکہ اپنی رزق پر خدا کا نام

الْأَنْعَامِ۔ (۲۴:۳۲) لیں۔

حجۃ الوداع میں یوم نحر میں تکبیل دین کا جب اعلان ہوا تو اس کا مطلب یہی تھا کہ اب مسلمانوں کو اپنی شریعت کو قلب و روح کی غذا اور ہر درد و الم کی دوا سمجھنا چاہئے اب جو قوم فرماتے ہیں کہ وہ ان کی ادب و عیب ان یوقی مادیت و ان مادیتہ اللہ ہی القرآن“ (ہر دعوت دینے والا چاہتا ہے کہ لوگ اسکی دعوت میں آئیں خدا کی دعوت قرآن ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ اسے پڑھیں) جسم کی خصوصیت یہ ہے کہ جب ایک کھانے سے سیر ہو گیا تو دوسرے کی طرف رغبت نہیں کرتا اور زبردستی کھاتا ہے تو غم میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح جو غیر اسلامی تہذیبوں کے اثرات سے دل و دماغ بسالیتا ہے وہ اسلام کی طرف کیونکر مائل ہو سکتا ہے!

دو دل بودن دریں رہ سخت ز عیب است سالک را

نخل ہستم ز کفر خود کہ دار و دوسے ایماں ہم! (شبلی)

آپ دیکھیں گے کہ جو ”یاران طریقت“ اصلاح قلب کے لئے وجود و سماع کا سہارا لیتے ہیں اتنے ہی وہ قرآن سے دور ہو جاتے بلکہ کبھی کبھی اسے ناپسند بھی کرنے لگتے ہیں

اور جو لوگ درگاہوں اور آستانوں پر سفر کر کے حاضری دیتے رہتے ہیں، ان کے دل سے حج بیت اللہ کا ذوق و شوق نکل جاتا ہے، جو روم و ایران اور دنیا کے فلسفوں میں حکمت و معرفت تلاش کرتا رہتا ہے، اس کے ذہن و دماغ میں ”حکمت یونانی“ کی پرچائیاں تو اپنا سایہ ڈال دیتی ہیں، لیکن ”حکمت ایبائیاں“ کی تجلیاں نکل جاتی ہیں، اور جو قصے کہانی اور افسانہ و تار و پاز اور ڈرامہ کا دلدادہ ہو جاتا ہے تو انبیاء و مرسلین کی حکایات اور سیرتوں سے اکتانے لگتا ہے، اسی لئے حدیث نبویؐ میں ہے کہ

ما ابتدع قوم بدعة الا نزع الله کوئی قوم جب بدعت کا ارتکاب کرتی ہے تو

عنهم من السنة مثلها (احمد) اس کے بقدر سنت سے محروم کر دی جاتی ہے

شرکت و صحبت اور مشابہت و معاشرت کا اثر جس طرح انسانوں پر ہوتا ہے، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، حدیث میں آتا ہے کہ انسانی طبیعتیں چور ہوتی ہیں، یعنی عادتیں فوراً اپنائیتی ہیں ”الطبائع سواقة“ انسان تو انسان آدمی تو جانوروں تک سے عادات و اخلاق سیکھ لیتا ہے اونٹ کے ساتھ رہنے والے اکثر فخر و غرور میں مبتلا پائے جاتے ہیں، بکری چرانے والے عموماً رحم دل ہوتے ہیں اسی طرح اونٹ اور بچہ کے سواروں میں ان کے اخلاق پیرا ہو جاتے ہیں، کتوں کو پالنے والے بھی بعض عادتوں میں کسی نہ کسی طرح ان کے مشابہ ہو جاتے ہیں، اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جو یہودی اور عیسائی اسلامی ممالک میں رہتے ہیں ان کا کفر لکا ہو جاتا ہے، اور جو مسلمان ان سے میل جول رکھتے ہیں ان کے ایمان میں خلل اور فتور آ جاتا ہے، اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان دشمنانِ خدا کی دوستی دل میں گھر کر لیتی ہے، حالانکہ ان کے لئے صاف حکم ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ
وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ
بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَمَا آتَىٰ
مِنْهُمْ فَإِنَّهُ كَانَ يَلْعَنُ إِلَى الْقَوْمِ
الظَّالِمِينَ (۵: ۵۱)

مومنو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ ورنہ
بعض دوست ہو سکتے ہیں اور تم میں سے جو
ان سے دوستی رکھے گا وہ انھیں میں سے ہوگا
الشر ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔
(آیات ۵: ۷۷، ۵۸، ۲۲ بھی اسی مضمون
میں ہیں)

شرکت و مشابہت کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک میں انسان غیر شعوری طور پر یہ حرکت
کرتا ہے، دوسری میں جان بوجھ کر کرتا ہے جو کفر ہے، ایک صورت یہ ہے کہ اسے خبر
ہی نہیں کہ یہ دوسروں کا عمل ہے، اس صورت میں گناہ تو نہ ہوگا، لیکن علم کے بعد
تو ضروری ہے پھر بعض رسوم ایسے بھی ہوتے ہیں جو عیسائیوں کے مذہب سے ماخوذ
نہیں ہوتے لیکن انھیں عیسائی مناتے ہیں تو ان سے مسلمانوں کو بچنا ہی ہوگا کیونکہ
ان کی مخالفت ہی مطلوب شریعت ہے۔

غیر اسلامی تقریبات میں شرکت و مشابہت صرف عملی شرکت ہی پر موقوف
نہیں بلکہ کسی طرح بھی ان سے مشابہت، شرکت ہے، جیسے مخصوص خوشبوؤں کی
خرید و فروخت، عیسائی تیوباروں میں انڈے کی تجارت، گالیوں کو سرخ نقطے سے
رنگنا، درختوں کو ٹیکہ لگانا، زیتون سے نمانا، صنعت و تجارت اور علی مقامات میں تعطیل
منانا بھی شرکت ہی ہے، جاڑوں میں کالون الاول (دسمبر) کی ۴ کو عیسائی کے
یوم ولادت کے طور پر منانا اور روشنی کرنا "عید الفطاس" (پتسمہ) منانا یہودیوں
کے تیوبار اور نیروز و مہرجان سب کفر کے مختلف مدارج ہیں۔ ان مواقع پر مسلمان

آپس میں بھی کوئی عمل ہدیہ اور خرید و فروخت وغیرہ ایسا نہیں کریں گے جن میں کفار کی مشابہت اور ان کی اعانت ہوتی ہو، کفار سے عید کے موقع پر خرید تو سکتے ہیں لیکن کوئی مسلمان بازارِ کفر میں دکان لگانا چاہے تو یہ جائز نہیں جیسے اس انگور کو چیرا جائز نہیں جسکے متعلق معلوم ہے کہ وہ اسے شراب بنائیں گے یا وہ اسلحہ جن سے وہ مسلمانوں سے لڑیں گے۔

عبد الملک بن حبیب اسے مکروہ اور امام مالک حرام کہتے ہیں، انھوں نے واضح میں کہا ہے کہ امام مالک کنیسہ کا ذبیحہ مکروہ سمجھتے ہیں۔
ابن القاسم غیر اسلامی تقریرات کے موقع پر ان کے ساتھ سوار ہونے کو بھی خدا کی لعنت و غضب سے بچنے کے لئے مکروہ کہتے ہیں۔

بیع و اجارہ کی ممانعت

امام احمد کسی مسلمان سمار کو اس کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ غیر مسلموں کی عبادت گاہ بنائے، فرمایا (لا بین لہم ولا تعنہم علی ما ہم فیہ) امام نے غیر مسلم کو گرایہ پر اپنے مکان میں رکھنا بھی مکروہ سمجھا ہے، اسحاق بن منصور کہتے ہیں اور اسی نصاریٰ کے انگوروں کی حفاظت کی نوکری ناجائز کہتے ہیں، لیکن امام ابو حنیفہؒ کافر کو گرایہ پر مکان دینا جائز سمجھتے ہیں اس لئے کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ کفر و شرک کے اعمال لازماً اسی گھر میں کرے، گویا گھرانے کے ہاں مختلف کاموں کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے اس لئے بیع و اجارہ میں کوئی قباحت نہیں ہاں مشرک سے ہتھیار اس لئے فروخت نہیں کریں گے، کہ ہتھیار جنگ ہی کے لئے بنائے گئے ہیں، وہی

خواجه یاعشری زمین لینا بھی اسی لئے نامناسب کہا گیا ہے کہ وہ اس طرح عشرہ خراج سے بچنا چاہتا ہے، ذی کا ارض اسلام پر اسے ٹھیک کر کے قبضہ کرنا بھی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک غلط ہے امام مالک سے دونوں روایتیں ہیں لیکن احیائے موات کے بعد ذی پر امام احمد کے ہاں کوئی تاوان نہیں، البتہ اہل مدینہ کہتے ہیں کہ ذی کو عشری زمین خریدنے نہیں دی جائے گی، اور اہل بصرہ اس پر عشرہ کو گنا کر دینے کی تجویز رکھتے ہیں، غبری قاضی بصرہ کہتے ہیں کہ ذی کی ہر زمین پر عشرہ ہو گا میسوی کی روایت میں امام احمد بھی حضرت عمرؓ کی روایت کی وجہ سے عشرہ کو گنا کر دینے کے قائل ہیں لیکن اس صورت میں ہے، جب وہ کھیتی اور تجارت دونوں کرتے ہوں، عشرہ کو گنا کرنے کے حق میں حضرت عمر بن عبد العزیزؓ، حسن بصریؒ اور امام ابو یوسفؒ ہیں اور بعض اس کے قائل نہیں ان میں بعض حنابلہ، ثوریؒ، امام محمدؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ ہیں، جو لوگ دونا کرنے کے قائل ہیں ان کا قیاس یہ ہے کہ ستامن اگر دوسلا میں کھیتی کرتا ہے تو اس سے دونا لیا جاتا ہے، اسی طرح اس کی تجارت پر بھی دونا ہی لیا جاتا ہے، ان سب باتوں سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کی زمینوں پر غیر مسلموں کا غلبہ نہ ہو اسی لئے امام احمدؒ ذی کے لئے حق شفعہ کے قائل نہیں ہیں اور اسے ان حقوق میں سمجھتے ہیں جو صرف مسلمانوں سے متعلق ہیں، جیسے دعوت قبول کرنا، ارض کی عبادت کرنا، بیع اور خطبہ میں زیادتی کرنا، امام شافعیؒ کتاب الام کے باب جزیرہ میں لکھتے ہیں کہ کلیسا کے لئے ذی کی کسی طرح کی وصیت باطل ہے انھوں نے لکھا ہے کہ کلیسا کی تعمیر میں مسلمان سمار کی کسی طرح کی شرکت مناسب نہیں، امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں اور ان کے عبادتی کاموں میں کسی نوع کی شرکت ناپسند کرتے ہیں

۱۰۳

وہ تعمیر کلیسا کی اجرت کو اسی طرح حرام کہتے ہیں، جیسے انجیل و توریت کی کتابت کی اجرت، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے ہاں خمر و خنزیر کے ڈھونڈنے کی اجرت بھی مسلمان کیلئے جائز نہیں، اس لئے کہ انھوں نے ان سے متعلق ہر معاملہ پر بعثت کی ہے، زنا، گانے بجانے اور دوسرے حرام پیشوں کی کمائی کے متعلق یہ حکم ہے کہ ان سے خود نائدہ اٹھانا ناجائز ہے، لیکن انھیں ملت کے مصالح کے لئے استعمال کرنا چاہئے (جس طرح بینک، بیمہ، کرشیل انٹرسٹ کی آمدنیوں کو مسلمان لیکر دوسرے خیراتی کاموں میں بغیر نیت ثواب کے استعمال کر سکتے ہیں) شیخ الاسلام ابن تیمیہ شراب خریدنے کے بعد خریدار کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ بیع منسوخ کر سکتا اور اپنی قیمت واپس لے سکتا ہے اس لئے کہ اصولاً یہ بیع باطل اور فاسد ہے، حضرت عمرؓ نے شراب کی ایک دکان جاوادی تھی، اور حضرت علیؓ نے ایک پوری بستی ہی کو جلوادیا تھا، جس میں شراب کا کاروبار ہوتا تھا، ان مشالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ شراب کسی طرح اسلامی حکومت میں گوارا نہیں کی جاسکتی، اسی طرح امام احمد نے غیر اسلامی تیوہاروں کے سامان کی خرید و فروخت ناجائز بتائی ہے، اور اسے اعانت علی الکفر کہا ہے، یہ تو عبادتی سامان کے لئے عام حکم ہے، لیکن کھانے پینے اور تفریح کی چیزوں کے بارے میں بھی امام مالکؒ کراہت تحریمی کے قائل ہیں اور امام احمدؒ حرجان بھی اسی طرف ہے لیکن بعض لوگ اسے کراہت تنزیہی تک رکھتے ہیں۔

ذبیحہ پر ساد اور ہدیہ کا حکم

غیر مسلموں کے تیوہاروں کے ہدایا کے متعلق حضرت علیؓ کا عمل اچھا اور سچا ہے کہ

۱۰۴

آپ نے "نوروز" کا ہدیہ قبول کیا تھا، ابن ابی شیبہ نے مصنف میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے کسی عورت نے پوچھا کہ ہماری مجوسی خادمائیں اپنی عید کے موقع پر ہمارے پاس تحفے بھیجتی ہیں، کیا ہم انہیں قبول کر سکتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ ذبیحہ تو نہیں البتہ پھل وغیرہ لئے جاسکتے ہیں، نیز ابو بکرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے مجوسی پڑوسی مہر جانا اور نوروز میں ہمارے بھیجتے تو وہ اپنے گھر والوں کو پھل اور مٹھائیوں کی اجازت دیتے اور بقیہ لوٹا دیتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کے ہدایا میں ان کی عید کا اثر نہیں پڑتا اور نہ ان کے قبول کرنے سے کفر کی اعانت لازم آتی ہے لیکن اہل حرب اور اہل ذمہ کے ہدایا قبول کرنے کی بحث ایک مستقل مسئلہ ہے جو کافی تفصیل چاہتا ہے، اجماعاً کہا جاسکتا ہے کہ اہل کتاب کے ہدایا (ان کے مخصوص ذبیحوں کو چھوڑ کر) استعمال کئے جاسکتے ہیں لیکن مجوسی کا ذبیحہ حرام ہے۔

پھر اہل کتاب اگر مسیح و زہرہ اور حضرت مریم وغیرہ کے لئے قربانی کرتے ہیں تو وہ ناجائز ہے یہی امام احمد کا مذہب ہے اور حضرت عائشہؓ اور ابن عمرؓ سے ایسا ہی مروی ہے، میمونؓ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا تو فرمایا کہ اہل کتاب کلیسا کے لئے ذبح کرتے ہیں اور عہدِ خدا کا نام چھوڑ دیتے ہیں، اس لئے اس کا کھانا جائز نہیں لیکن امام احمد ہی کہتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداءؓ ان کے کھانے کو حلال سمجھ کر استعمال کرتے تھے۔

امام احمدؒ امام اوزاعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے میمونؓ سے نصاریٰ کے ذبیحہ عید کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ مکروہ ہے، حنبل عطارؒ سے روایت کرتے ہیں کہ

جس ذبیحہ پر حضرت مسیح کا نام لیا گیا ہو وہ اس کے کھانے کو جائز سمجھتے تھے، خلال کہتے ہیں کہ امام احمد سے اس باب میں کراہت تحریری ہی ثابت ہے ضعیف کی روایت ہے کہ کلیسا اور عید کے موقع کے علاوہ عام ذبیحہ کھایا جاسکتا ہے اگرچہ اس پر انھوں نے بسم اللہ نہ پڑھی ہو، ایک جگہ امام احمد نے (وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذَكِّرْ اِسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ) سے مراد میتہ اور مردار لیا ہے۔

لیکن امام احمدؒ ہی کی دوسری روایت ہے کہ غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ حرام نہیں مکروہ ہے، ان کے صاحبزادے عبد اللہؒ کہتے ہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ زہرہ کا ذبیحہ کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ مجھے پسند نہیں، میں نے کہا کیا احرام ہے فرمایا: حرام نہیں کہتا لیکن مجھے بھانا نہیں، ابوالحسن آمدیؒ کہتے ہیں کہ غیر اللہ میں، کلیسا، زہرہ اور شمس قمر کے لئے ذبیحہ آجاتے ہیں، مودہ میں ہے کہ اہل کتاب کا کلیسائی ذبیحہ یا عید کا ذبیحہ مکروہ ہے، حرام نہیں۔

عید کے ذبیحہ کا استعمال بعض صحابہؓ سے ثابت ہے، لیکن اس میں تفصیل ہے کہ اس پر صراحۃً غیر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اس لئے کہ جمہور کے ہاں یہ حرام ہے اور یہی ائمہ شافعیہ کا بھی مذہب ہے، اور یہی حضرت علیؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، ابوالواثقؓ، عراب بن ساریہؓ، عبادہ بن صامتؓ اور اکثر فقہائے شام کا مسلک بھی ہے، ایک مشرب یہ بھی ہے کہ غیر اللہ کا نام لئے جانے کے باوجود ان کا ذبیحہ حرام نہیں، یہی عطاء، مجاہد، کھول، افداعی اور لیثیم اللہ کا خیال تھا ابن منصور کہتے ہیں کہ امام احمد سے کہا گیا کہ سفیان ثوریؒ عید کا بسم اللہ چھوڑے ہوئے ذبیحہ کے کھانے کے قائل نہ تھے امام احمدؒ نے بھی ان کی تصویب کی، شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ اختلاف مذاہب کی

بنیاد دو آیتیں ہیں ایک میں کہا گیا:

وَمَا كَانَ عَلَى النَّاسِ أَنْ يُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَلَا يُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَئِنْ لَمْ يَرْزُقْهُمْ اللَّهُ فَلَهُنَّ الْفُتُورُ
 لَکَہُ۔ (۵:۵) ۴۔

اور دوسری آیت (۱۶: ۱۱۵) میں غیر اللہ کے لئے ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت حرام کر دیا گیا۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ غیر اللہ کا نام لیا جائے یا نیت کی جائے دونوں ہی حرام ہیں، مشرکین بھی کبھی اپنے دیوتاؤں کے نام پر قربانی کرتے ہیں کبھی نذرانہ کے طور پر اور کبھی دونوں طرح یہ سب صورتیں حرمت میں داخل ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت کے مزاج سے یہی زیادہ قریب ہے، یہی امام احمد کا مسلک ہے اگرچہ متاخرین خالہ اس روایت کا ذکر نہیں کرتے ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کا ذبیحہ انہی صورتوں میں حلال ہو گا جن صورتوں میں مسلمانوں کا ذبیحہ حلال ہے اسکے علاوہ یہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ جہاں علت و حرمت کا ٹکراؤ ہوتا ہے، وہاں حرمت ہی کو احتیاطاً ترجیح دیتے ہیں، اور اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہے کہ کسی نبی کے مذہب میں مشرکانہ ذبیحے نہیں آئے اس لئے اہل کتاب کے ذبیحہ کے ساتھ بھی اسی طرح معاملہ ہو گا۔

یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ اہل کتاب اگر غیر اللہ کا نام لیتے ہیں تب تو ہم اسے حرام سمجھ سکتے ہیں لیکن اگر خالی نیت ہو زبان سے نہ کہا ہو تو کیسے حرمت کا پتہ چل سکے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب وہ اپنے متعین مقام پر ہی ذبح کریں یا کلیسا کے اندر قربانی ادا کریں تو حرمت ظاہر ہی ہے، یا خود ان سے پوچھ کر کبھی معلوم کیا جاسکتا ہے، شیخؒ نے ذبح علی المنصب کے بارے میں

۱۰۶

لکھا ہے کہ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ "نصب" یعنی بتوں پر یا ان کی جگہ پر ذبح کیا جائے
دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے ذبح کیا جائے، یہ دونوں صورتیں غیر اللہ ہی میں
شامل ہیں اس لئے حرام ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ وادی بلدح میں آنحضرت
اور زید بن عمرو بن نفیلؓ ہم سفر تھے، جب کھانے کا وقت آیا تو زید نے گوشت پیش کیا
جسے آنحضرتؐ نے یہ کہہ کر کھانے سے انکار کر دیا کہ میں بتوں کا چرٹھاؤا نہیں کھاتا
(حالانکہ یہ نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے)۔

ایک روایت میں خود زید کے بارے میں آتا ہے کہ وہ قریش کا ذبیحہ نہیں
کھاتا تھا، شیخ الاسلامؒ نے یہاں اپنے مخصوص اہل از میں ایک نکتے کی طرف اشارہ کیا
ہے کہ بعض لوگ اسم غیر اللہ والے ذبیحہ کو حرام اور غیر اللہ کے لئے ذبیحہ کو مکروہ سمجھتے
ہیں، لیکن درحقیقت دونوں ہی حرام ہیں، اگرچہ شدت میں دوسرا بڑھا ہوا ہے،
اس کی صورت اس طرح ہے کہ جیسے ہم ایک ذبیحہ قربانی کے لئے کرتے ہیں تو یہ زیادہ
باعث ثواب ہے، اور ایک صرغ گوشت کے لئے کرتے ہیں، اسی طرح اہل کتاب
ایک ذبح مسیح کا نام لیکر کرتے ہیں اور دوسرا خاص مسیح کے لئے کرتے ہیں، اس لئے
ظاہر ہے کہ آخری صورت حرمت کے زیادہ قریب ہے، اس لئے کہ غیر اللہ کی عبادت
غیر اللہ سے استعانت سے زیادہ بری ہے۔

ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ مسلمان بھی اگر زبان سے بسم اللہ کہہ لیتا ہے، لیکن
دل میں کسی پرفیقہ، جن، شیطان وغیرہ کی نیت رکھتا ہے تو اس کا ذبیحہ بھی حرام ہے
ابو داؤد میں حضرت ابن عباسؓ کی ہدایت ہے کہ "ذہنی عن معافرة الاعراب"

(حضور نے بدوؤں کی قربانی سے منع کر دیا ہے) ابن شیبہ نے ابن عباس ہی سے عفاً عنہما کی تفسیر غیر اللہ نقل کی ہے، جارا روکتے ہیں کہ بنی رباح کے ابن وکیل نامی شاعر اور فرزدق کے باپ غالب نے نذرانی تھی کہ ہم فلاں چشمہ پر اونٹ ذبح کریں گے جب انھوں نے ۱۰۰، ۱۰۰ اونٹ ذبح کئے تو لوگ گوشت کے لئے دوڑے لیکن حضرت علیؓ نے انھیں روک دیا کہ یہ غیر اللہ کی قربانی ہے، مجاہدؒ "نصب" کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ کعبہ کے پاس ایک پتھر تھا جس پر اور جس کے لئے اہل جاہلیت قربانی کرتے اور اسے جب چاہتے بدل بھی دیتے تھے، حضرت حسن قتادہؒ اور حضرت ابن عباس کی تفسیر بھی یہی ہے۔

اسماعیل بن سعید کی امام احمد سے ایک روایت ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی کتابی کا جانور ذبح کرتا ہے تو وہ حلال ہے اس لئے کہ وہ شرعی طریقہ پر ذبح کرے گا (لیکن کچھ علماء ابن تیمیہؒ کی اس رائے سے متفق نہیں کیونکہ کتابی کی نیت کا اعتبار ہوگا نہ کہ مسلمان کا جس کا جانور نہیں، بلکہ صرف عمل ذبح میں وہ شریک ہے)

کفار کے روزے اور تیوہار

کسی غیر اسلامی تیوہار اور برت کے موقع پر روزہ رکھنا مشابہت کے خوف سے مکروہ کہا گیا ہے، اس لئے اس کے آگے پیچھے ایک اور روزہ بھی ملائے گا حکم ہے، یوم سبت کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ سبت کا روزہ نہ رکھو اور اگر اس دن کسی کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہ ہو تو کسی درخت کی شاخ ہی چبا لے۔ (سنن اربعہ) اثرمؒ نے امام احمدؒ سے بھی یہی روایت نقل کی ہے، لیکن دوسری

احادیث کے پیش نظر امام احمد نے اجازت بھی دی ہے، حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کو زیادہ روزے رکھتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھ سے پہلے یا بعد میں ایک دن ملا لینے کا حکم دیا تھا، اس لئے اترم، امام ابو داؤد، زہری، امام مالکؒ سب سبت کے روزے کے قائل ہیں، لیکن امام احمد کی صماغہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے یوم سبت میں مجھے کھانے کیلئے کہا تو میں نے معذرت کی کہ روزے سے ہوں اس پر آپؐ نے پوچھا کیا کل بھی روزہ سے تھیں؟ انھوں نے کہا نہیں تو آپؐ نے فرمایا کھاؤ سبت کا روزہ کچھ اہم نہیں، اس لئے فقہانے سبت کے آگے پیچھے بھی ایک اور روزہ ملا لینے کا حکم دیا ہے، ابن عقیل نے یہودیوں کے یوم تعطیل سے شہادت کی وجہ کو اس حکم کی علت کہا ہے، امام احمد اور امام نسائی کی روایت میں ہے کہ حضورؐ فرماتے تھے کہ اہل کتاب کی عید کے دن (شنبہ، یکشنبہ) کو میں روزے ان کی مخالفت کے خیال سے رکھتا ہوں اور حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ اگر ایک مہینہ میں شنبہ، یکشنبہ، دو شنبہ کو روزے رکھتے تو دوسرے میں شنبہ، چار شنبہ، پنج شنبہ کو روزے رکھتے تھے، (ترمذی) یہ دونوں حدیثیں ان لوگوں کے خلاف نہیں ہیں جو "افراد سبت" کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

یہاں امام ابن تیمیہؒ نے ایک اور قاعدہ شرعی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ روزے اور تیوہار اکثر اہل کتاب کی ایجاد اور بدعت ہیں اور اسلام بدعتوں کے جس قدر خلاف ہے وہ معلوم ہے حتیٰ کہ اجتہاد جو شریعت کے دائرے میں رہتے

۱۔ اس موضوع پر امام ابن القیم کی تحقیق مختصر سنن ابی داؤد ۲۹۶/۳ حدیث نمبر ۲۳۱

میں دیکھی جائے۔

ہوئے کیا جاتا ہے، اس میں بھی اگر خطا ہے تو اس کی ابتداء غلط ہے۔ اگرچہ
 مجتہد کو ثواب ضرور ملے گا جب آیت ”رَاتَّخَذُوا الْحَبَارَہُمْ وَرِہْبَانَهُمُ اَرْبَابًا
 بِدُونِ اللّٰہِ“ ۳۱:۹ اتری تو حضرت عدی بن حاتمؓ نے حضور سے عرض کیا کہ
 وہ غیر اللہ کی عبادت تو نہیں کرتے تھے؟ حضور نے فرمایا عبادت نہیں کرتے تھے
 لیکن ان کے غلط احوال و حرام پر عمل کرتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ مذاہب کی انسان طرز اول
 کی دو بنیادیں ہیں، ایک یہ کہ جو مذہب نہیں تھا اسے مذہب سمجھ لیا گیا، دوسرے یہ کہ
 قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا گیا، اسی لئے امام احمد نے شریعت کی تعریف اس طرح
 کی ہے کہ بندوں کے اعمال کی دو قسمیں ہیں، عباد و اجفیس وہ قلعہ آخرت یا ظاہر داریں
 کے لئے برستے ہیں، دوسری عادات، یا معاملات جن کا تعلق خاص طور سے دنیاوی
 زندگی سے ہوتا ہے، تو عبادات کی اصل یہ ہے کہ اس میں شریعت کے عبادتی نظام
 کی پیروی کی جائے، اور عادات میں یہ ہونا چاہئے کہ ان میں حلت و حرمت کا اختیار
 خدا کو دینا چاہئے، اس قاعدہ اور نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اسلام کے علاوہ دوسرے
 مذاہب کی حقیقت افسانوں میں گم دکھائی دیتی ہے؛

جنگ ہفتاد و دو ملت ہم را عذر بہ

پوں ندیدند حقیقت را و افسانہ زوہد

اسلام اور بدعت کا کھلا تضاد

بعض سہل انگار حضرات بدعت کی تقسیم حسنہ اور قبیحہ سے کرتے ہیں، ان کی
 دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ نے تراویح کے لئے ”نعمت البدعة“ فرمائی (یعنی بدعت

ہے) کہا تھا، دوسری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ کے بعد زمانے کے مطابق اسلام میں جو باتیں اپنائی گئیں وہ بھی تو بدعت ہیں لیکن ”حسنہ“ ہیں اس لئے ان پر کوئی نیکیر نہیں کرتا۔ بدعت حسنہ کی بعض لوگ یہ تعریف کرتے ہیں کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے بارے میں شریعت خاموش ہے، یا ان میں کوئی مصلحت ہے، اس سے زیادہ بدعت حسنہ کی تائید میں کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن ان کہنے والوں نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ غصہ و صراحت ”کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار“ فرما رہے ہیں مگر یہ لوگ اس کی تقسیم کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔

جب شارعؐ نے بدعت کا برائی کے معنوں میں استعمال متعین فرما دیا تو یہ کہنا کہ بعض برائیاں اچھی بھی ہوتی ہیں، اپنی جسارت و جرأت بلکہ حماقت ہی کا ثبوت دینا ہے، اور آپ کے اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ بدعت میں حُسن ہو ہی نہیں سکتا اور جس میں حُسن ہے وہ بدعت نہیں، اور جو یہ سمجھتا ہے کہ بدعتوں اور بدعتوں پر اگر اجماع ہو جائے تو اسے حق بجانب (JUSTIFY) کہا جاسکتا ہے وہ خود حق بجانب نہیں، اس لئے کہ بدعتوں اور غلطیوں پر پوری امت کا اجماع ہو ہی نہیں سکتا اور نہ اسے تاریخی طور پر کوئی ثابت کر سکتا ہے، اس لئے کہ سنت کے ادائن اس ہر دور و دیار میں ہمیشہ موجود رہے ہیں، جنہوں نے بدعتوں پر روک لگائی ہے، پھر تقدس اجماع اگر کہیں کا ہو سکتا ہے تو وہ اہل مدینہ کا ہو سکتا ہے، لیکن جمہور علماء نے انکو بھی یہ اختیار نہیں دیا ہے بلکہ عام مسلمانوں کے مقام سے وہ برتر نہیں اس صورت حال کو سامنے رکھ کر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ان بدعتوں پر عوام کا الانعام اور جاہل ہوس پرستوں کا

اجماع مستند (AUTHORITY) ہے یا اس کا کچھ بھی وقار و اعتبار ہے۔
 ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ حدیث بدعت کے عموم کو مخصوص بدعتوں کے معنی میں لینا صحیح نہیں، اس لئے کہ پھر اس حدیث کے معنی ہی نہیں رہ جاتے اگر بدعت سے صرف منہی عنہا چیزیں ہی مراد لی جائیں تو پھر کفر و فسق کے علاوہ کوئی چیز بدعت کی مصداق ہی نہیں رہ جائیگی اور اس کا اطلاق صرف عہد نبوی کی غلطیوں پر ہو گا حالانکہ یہ صراحت غلط ہے، اس تاویل میں متعدد ذریعے ہیں۔

۱۔ اس حدیث سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اس لئے منوعہ اشیاء تو کسی مخصوص نہی سے منوع ہوں گی پھر اس حدیث سے کوئی چیز ممنوع نہیں ہو سکتی، اور حدیث بے فائدہ ہو کر رہ جائیگی حالانکہ حضور اسے خطبہ جمعہ میں پابندی کے ساتھ پڑھتے اور اسے جوامع الکلم میں شمار فرماتے تھے۔

۲۔ لفظ بدعت "ایک بہت معصوم لفظ بن جائے گا، اور اس کے وجود و عدم کے کوئی معنی ہی نہیں رہ جائیگا۔

۳۔ اس سے قائل کی (معاذ اللہ) تلبیس تلبیس ثابت ہوگی، کیونکہ بدعت ایک عام لفظ اور نہی ایک مخصوص صفت ہے تو عام بولی کر خاص مراد لینا یا خاص کہہ کر عام کی طرف اشارہ "لال بھکڑوں" کا مشغلہ ہے، نہی ایسی گولی مول باتیں کر ہی نہیں سکتا۔

۴۔ اگر حدیث سے ہر بدعت کے لئے نہی خاص ضروری ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف چند لوگ بدعتوں کو جان سکیں اور عوام کے لئے اس کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا جائے۔
 ۵۔ غیر متعین بدعتوں کی تعداد زیادہ ہے، اس لئے نہی خاص کی طلب حدیث

کے عموم کو نظر انداز کرنے کے مراد ہے۔

نماز تراویح بدعت نہیں

نماز تراویح کے بدعت ہونے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا، اس لئے کہ وہ سنتِ قولی اور سنتِ فعلی دونوں اپنی تائید میں رکھتی ہے، حدیث میں ہے: "ان الله فرض عليكم صيام رمضان وسنتكم قيامكم" (اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کئے، اور میں نے نماز تراویح مقرر کی) تراویح کی جماعت بھی بدعت نہیں اس لئے کہ حضور نے پہلے رمضان میں تین راتوں میں جماعت سے نماز ادا فرمائی اور آخری دس دنوں میں بھی باہر جماعت سے تراویح ادا کی، حدیث ہے،

"ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى مع الجماعة حتى ينصرف كتب له قيام ليلة" (جو اسے امام کے ساتھ پڑھتا ہے، اسے پوری رات قیام کا ثواب ملتا ہے) مجتہدین کا کہنا ہے کہ صرف صحابی کا قول حجت نہیں، "قول الصالح ليس بمجته"۔

پھر جب قول صحابی قولِ رسول کے مخالف پڑتا ہو تو اس کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ حضرت عمرؓ نے اگر تراویح کے لئے بدعت کا استعمال کیا تو وہ بدعتِ شرعی کے معنوں میں نہیں بلکہ بدعتِ لغوی کے سیاق میں تھا، اس لئے کہ لغت میں بدعت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ "كل ما فعل ابتداء من غير مثال سابق" (ہر وہ نئی چیز جو بغیر کسی پہلے نمونے کے وجود میں آئے)

تراویح کی تائید میں جب حضورؐ کے قول فعل دونوں ہیں تو اسے بدعت کہہ ہی نہیں سکتا۔ تراویح کے چوتھے دو حضورؐ نے غایتِ شفقت سے فرمایا: "ان الله لم يعصيكم ان اخرج اليكم،

الا کما لہذا ان یفرض علیکم فصلوا فی بیوتکم فان افضل صلوٰۃ المراء فی بیتہ الا المکتوبہ“ (مجھے صرف اس بات نے جماعت تراویح میں آنے سے روکا کہ میں تم پر وہ فرض نہ ہو جائے، بہتر ہے کہ گھر کی پر پڑھو اس لئے کہ فرض کے سوا باقی نمازیں گھر ہی میں افضل ہیں) فرض ہو جانے کا خوف ظاہر ہے کہ رسول اللہ کی زندگی ہی تک تھا، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فشا انبوی کی تکمیل کی اور مسجد میں روشنی کی گئی۔

اسی طرح صحیح قرآن آنحضرتؐ کے عہد میں منع تھا کہ حدیث سے گڈنڈہ ہو جائے اور دوسرے بھی تھا کہ قرآن ابھی سسل تا ہی رہا تھا اور اس میں نسخ بھی ہوتا تھا، اس لئے اس خیال سے مصحف میں جمع نہیں کیا گیا کہ بار بار بدنامی و بے حرمت پیدا کر سکتا تھا لیکن حضورؐ کے بعد اطمینان ہونے پر اسے مصحف کی شکل دی گئی۔

یہ ایسا ہی تھا جیسا کہ حضرت فاروقؓ نے خیبر کے یہود بنجران کے عیسائیوں کو ارض عرب سے باہر چلے جانے کا حکم دیا اس لئے کہ حضورؐ نے مرض وفات میں فرمایا تھا کہ یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو“ حضرت ابو بکرؓ اس کی تعمیل اہل رمدہ سے قتال کی وجہ سے نہیں کر سکے اور فارس و روم سے بھی جنگوں کی مشغولیت حاصل رہی شروع میں حضرت عمرؓ بھی اس پر انہی جنگوں کی وجہ سے عمل نہیں کر سکے، لیکن بعد میں اسے نافذ کیا۔

ظاہر تو یہ بدعت معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ یہود خیبر نے ان سے کہا ”کیف تمخ جنا وقد اقدنا بالاقاسم؟“ (کہ رسول اللہ نے تو ہمیں ٹھہرایا تھا، تو آپ کیوں کر نکلنے کا حکم دے رہے ہیں) حضرت علیؓ کی خلافت میں بھی انھوں نے ان سے رجوع کیا اور خواہش ظاہر کی کہ کتابت بجمہات

۱۱۵

(آپ کے ہاتھ کی تحریر ہونی چاہئے) لیکن حضرت علیؓ اپنے ارادے سے رکے رہے، اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں بھی اس پر عمل کیا تھا۔

ایسے ہی حضورؐ نے فرمایا تھا:

خذوا العطاء مما كان عطاء فاذا
تم حکام و خلفاء کے عطیات لے سکتے ہو لیکن
کلوا عوضاً عن دينكم فلا تخذوا
جب وہ تمہارے دین کو خریدنے کے لئے
دیا جائے تو مت لینا۔

عہدِ سعادت کے بعد جب خلفاء اور امراء نے خوشامدی و درباریوں اور جی حضوریہ کو جو ان کے لئے دین و شریعت میں باطل تاویلیں اور حیلے تلاش کرتے تھے، بڑے بڑے انعام دینا شروع کئے تو جو علمائے حق اور مردان باصفا اس سے باز رہے، وہ بدعت نہیں تھا، اگرچہ ایک نیا طرز عمل تھا، لیکن زمانے کے حالات کی وجہ سے حدیث کے دوسرے ٹکڑے پر عمل تھا، آپؐ نے ابہان بن صیفی کو ایک تلوار دیتے ہوئے فرمایا:

قاتل به المشركين فاذا رأيت
اس سے مشرکین سے لڑنا لیکن جب مسلمان
المسلمين اقتتلوا فاكسروا۔
آپس ہی میں لڑنے لگیں تو اسے توڑ دینا۔

اس سے معلوم ہوا کہ تلوار شکنی آنحضورؐ کے عہد میں معروف نہیں تھی، لیکن بعد میں آپؐ ہی کے حکم کی تعمیل میں پیدا ہوئی اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ کا منکرین زکوٰۃ سے قتال، ایک بدعت تھی، اس لئے کہ صرف زکوٰۃ کے منکر سے حضورؐ کبھی نہیں لڑے۔ لیکن امرت ان اقاتل الناس حتی يشهدوا ان لا اله الا الله۔ (مجھے حکم ہے کہ جب تک لوگ توحید و رسالت کی گواہی نہ دیدیں مسلسل لڑتا رہوں) اس سے حضرت صدیقؓ نے نکالا کہ زکوٰۃ بھی اس گواہی کا

ایک اہم جز اور رکن رکین ہے، اس کے ساتھ ہی حق اللہ بھی ہے، اس کے علاوہ دوسری حدیث میں **وَلْيَقِمْ الصَّلَاةَ وَلْيُؤْتِ الزَّكَاةَ** (حتیٰ کہ نمازیں پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں) کے الفاظ بھی صراحتہ آئے ہیں اس لئے حضرت صدیقِ کامل بدعت نہیں ہے، اگرچہ محدث (ایک نئی بات) ہے۔

بدعتیں کیونکر ایجاد ہوتی ہیں؟

بدعت کے بارے میں یہ جان لینا چاہئے کہ اس کے مؤجد نیک نیت اور مخلص بھی ہوتے ہیں، اور وہ کسی نہ کسی مصلحت ہی کے لئے بدعت کی ایجاد کرتے ہیں، وہ غلطی کو غلط جان کر نہیں کرتے بلکہ اسے اپنی دانست میں صحیح سمجھ کر کرتے ہیں، اس کے بعد ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی واقعی نئی ضرورت پیش آتی ہے، جو ہر رسالت میں نہیں آئی تھی، اس لئے آپ نے اس کی مانعت بھی نہیں کی تھی تو اس مصلحت دینی کو اختیار کیا جاسکتا ہے، اور کیا گیا، اسی طرح بعض بدعتیں اس طرح گوارا کی گئیں کہ ضرورت تو عہد نبوت ہی میں محسوس ہو چکی تھی، لیکن کسی وجہ سے آپ نے اس کی تکمیل نہیں کی، اس لئے آپ کی وفات کے بعد جب وہ وجہ باقی نہیں رہی تو لوگوں نے اب اس ضرورت کو پورا کیا۔

بدعت کی وہ صورت کہ اس کی ضرورت بھی نہ ہو اور اس میں کوئی معصیت بھی ہو تو اس بدعت کا کوئی جواز ہی نہیں پیدا ہو سکتا، یہاں ایک بات اور بھی ہے کہ ہر وہ بات جو مصلحت سمجھی جا رہی ہے، اگر عہد رسالت میں بھی مصلحت ہی تھی، لیکن وہ سنت کا شرف حاصل نہ کر سکی تو وہ بعد میں بھی کبھی مصلحت

نہیں شمار کی جاسکتی، لیکن آپ کی وفات کے بعد جو مصلحتیں پیدا ہوتی ہیں اور ان میں کوئی دینی قباحت بھی نہیں ہوتی ان پر ضرور غور کیا جاسکتا ہے۔
 یہاں پہنچ کر فقہاء کے دو گروہ ہو جاتے ہیں: ایک گروہ کہتا ہے کہ اگر نئی صریح نہیں ہے، تو اس مصلحت کا دین میں اعتبار ہے اسی کو مصلحت مرسلہ کہتے ہیں، دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ جب تک امر صریح نہیں ہے، تو عمل کیسے کیا جاسکتا ہے؟ پھر اس طبقہ میں بھی دو خیال پیدا ہو جاتے ہیں، ایک خیال ہے کہ کلام شارح سے کوئی دلیل چاہئے بلا اس کے عمل نہیں کیا جاسکتا، یہ خیال "قیاس" کی نفی پر مبنی ہے، دوسرا خیال یہ ہے کہ شریعت میں اس کی فظیر دیکھ کر یا مفہوم سمجھ کر کوئی کام کیا جائے یہ اہل قیاس کا خیال ہے، ہو لوگ کسی نئی چیز کو بلا سوچے سمجھے دین میں داخل کر لیتے ہیں، ان کے بارے میں فرمایا گیا:

ان اخوف ما لَخاف علیکم زلة سب سے بڑا خطرہ جو تمہارے لئے مجھے محسوس
 عالم اور جدال منافق، بالقرآن ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عالم کی گمراہی یا منافق کی
 واعثۃ مصلون غلط قرآنی تاویل، اور گمراہ کن امر اور کا خطرہ ہے۔

اس قسم کی مثال عیدین کی افان ہے، اسے جب امر انے رواج دیا تو مسلمانوں نے بدعت سمجھ کر اس پر نیکیر کی، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کہہ سکتے تھے کہ یہ تو ذکر الشراؤ دعوتِ حق ہے اس لئے عبادات کے عموم میں اسے داخل کر لینا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے کہ "اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا" (۳۳: ۴۱) وَمَنْ أَحْسَنُ مِمَّنْ ذَکَّرَ اِلٰی اللّٰهِ (۳۳: ۴۱) یا اذان جمعہ پر بھی قیاس کر سکتے تھے، اور اسے آسانی سے عیدین کی سنتوں میں داخل

کر سکتے تھے، لیکن آنحضرتؐ کے فعل کی طرح دراصل آپؐ کا ترک فعل بھی سنت ہے، اس لئے جب حضورؐ نے جمعہ کے لئے اذان دلائی لیکن عیدین کے لئے نہیں، اس لئے یہاں ترک اذان واقامت ہی سنت ہے، اور کسی کو حق نہیں کہ وہ اپنی طرف سے اس میں اضافہ کر دے، کیونکہ یہ اضافہ اس طرح کا اضافہ ہوگا کہ کوئی نماز کے اعداد میں اضافہ کر دے، رکعات کی تعداد بڑھا دے، یا حج میں کوئی زیادتی کر دے اگر کوئی من چلا کہنے لگے کہ ظہر کوہ رکعات میں اس لئے پڑھنا چاہئے کہ یہ عمل صالح ہے تو اسے کون اس کا اختیار دے سکتا ہے؟ اسی طرح دعا کے لئے اگر اس نے کوئی مخصوص جگہ بنائی ہے تو اسے بھی گوارا نہیں کیا جاسکتا، اور نہ وہ اسے بدعت حسنہ کہنے کا مجاز ہے، یہاں شیخ الاسلامؒ نے ایک ایسا جملہ لکھا ہے، جو انہی جیسا کوئی شریعت کا رمز آگاہ لکھ سکتا تھا، لکھتے ہیں:

وَمَنْ نَعْلَمَنَّ هَذَا ضَلَالَةً قَبْلَ أَنْ نَعْلَمَ نَهْيًا خَاصًّا عَنْهَا وَأَنْ نَعْلَمَ مَا فِيهَا مِنَ الْمَفْسَدَةِ، ہم پر اس بدعت کی ضلالت اس کے لئے کسی نہی کے علم اور مفسدہ کی خبر سے پہلے ہی واضح ہے۔

یہاں تک تو اس صورت کی وضاحت تھی کہ امر حادث میں کوئی مصلحت ہو یا اس کے لئے کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو، اب وہ صحت رہ جاتی ہے جو کہ بعد کے لوگ اسے مصلحت سمجھتے ہیں، اور عہد رسالت میں بھی مصلحت میں داخل تھی، لیکن آپؐ نے اسے عمل کی شکل نہیں دی تو اس میں ترک ہی سنت ہے۔

اس قسم کی بدعتوں میں عیدین کے خطبہ کا پہلے پڑھنا ہے، جسے امر ارادے رائج کیا تو مسلمانوں نے اسے کھلے عام بدعت کہا، اگرچہ لوگ اس کی وجہ بتاتے ہیں کہ

صنوبر کے زمانے میں لوگ خطبہ شوق سے سنتے تھے اور بلاسنے عید گاہ سے نہیں جاتے تھے، لیکن بعد کے لوگ سلام پھیر کر ہی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، اس لئے خطبہ ان کو پہلے ہی سنا دینا چاہئے، لیکن یہ تو کج فہمی کا مظاہرہ ہے، اس لئے کہ خطبوں میں بد مزگی تو آج کے اماموں کی پیدا کردہ ہے جنہیں کوئی شعور ہی نہیں، آنحضرت کو اپنے خطبہ میں لوگوں کے فائدے کا خیال رکھتے اور ان کی تبلیغ و ہدایت کا سامان کرتے تھے لیکن آج کے اماموں کا مقصد یہ ہے کہ اپنی "امامت" کا مظاہرہ کریں، دینی خدمت اصلاح تو ان کے پیش نظر ہوتی ہی نہیں ہے، معلوم ہوا کہ عوام کو تو آپ نے خود سزا دیا اور اب انہیں مائل کرنے کے لئے دوسری معصیت کا سہارا لے رہے ہیں اس کا صحیح حل تو یہی ہے کہ خدا اور اس کے رسول کی طرف ہم رجوع کریں اس کے بعد بھی اگر عوام کی اصلاح نہیں ہوتی تو فکر کی کیا بات ہے، آپ کو تو صرف اپنے عمل کا جواب دینا اور اپنا حساب صاف دکھانا ہے۔

ادھر کی دو باتیں جو سمجھنے کا اس پر بدعت کا فہم آسان ہو جائے گا میں نے ادھر بھی اشارہ کیا ہے کہ شریعتیں قلب کی غذا ہوتی ہیں، اور جب یہ غذا اسے بدعت کی شکل میں ملتی ہے تو پھر اس میں سنت کے لئے گنجائش نہیں رہ جاتی۔

”وان الشرائع اغذية القلوب فمتی اخذت القلوب بالبدع لم یبق فیہا فضل للسنن فتكون بمنزلة من اغتذى بالطعام الخبیث“ (۲۸)

انہوں نے لکھا ہے کہ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر ارادہ رسلطین نے اسلامی نظام حکمرانی میں جب بدعتوں کو راہ دی تو اس کے نتیجے میں اس نظام کی خوبیاں ختم ہو گئیں اور انہیں اپنی سلطنت کے لئے طرح طرح کے جرائم کا ارتکاب کرنا پڑا، اور اپنی طاقت

کے لئے حفاظتی دستہ (BODY GUARD) رکھنا پڑا۔

اسی طرح علماء اور فقہاء کی جہتوں کے بارے میں بھی انھوں نے اظہار خیال کیا ہے کہ اگر وہ کھلے دل سے قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرتے اور سنت کے ذخیرے سے فائدہ اٹھاتے تو علم کا ایک بحر محیط نظر آتا جو ایک عالم کو سیراب کر سکتا تھا۔

اور وہ خود متکلمین کی ان گراہیوں سے بچے رہے، جو انھوں نے اصل دین کی حفاظت کے نام سے اختیار کی ہیں، اور جنہیں اہل قیاس فروع دین کی توسیع سمجھتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ سنتیں اپنے اندر بدعتوں سے پوری طرح بے نیاز کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہیں، یعنی اگر سنتوں پر پوری طرح عمل ہو تو بدعتوں کی ضرورت ہی نہ پڑے، ان کا کہنا ہے کہ اگر لوگ گفتار و کردار کی ان بلندیوں کو دیکھ میں جنہیں خدا نے اپنے رسول کو عطا کی ہیں، تو انہیں اندازہ ہو کہ ان میں کتنے پاکیزہ احوال و مقامات اور نتائج و برکات ہیں، لیکن ان کا تو حال یہ ہے کہ اپنے کانوں کو ذوقِ سماع سے محروم کر چکے ہیں اب قرآن سننے میں ان کو کیسے لطف آئے، کچھ جواذکار اوراد و وظائف اور اشغال میں پھنسے ہوئے ہیں، انہیں دین خالص کی جھلک کیسے دکھائی دے سکتی ہے؟

وہ فرماتے ہیں کہ اصل مقصد تو دلیلِ صحیح کا علم ہے، اگرچہ اس کا تارک بھی اپنے اجتہاد کی وجہ سے معذور ہوتا ہے بلکہ مقامِ صدیقیت میں بھی نافر ہو سکتا ہے لیکن صدیق کے لئے ضروری نہیں کہ اس کی ہر بات صحیح اور اس کا ہر کام درست اور سنت ہو، اس لئے کہ یہ تو صرف سنت کا مقام ہے۔ اس کے بعد شیخ الاسلام نے عید کی بعض بدعتوں کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض لوگ رجب کی پہلی جمعرات کو

روزہ رکھتے ہیں اور اس جمعہ کی رات میں صلاۃ الرغائب پڑھتے ہیں اور عید کی طرح خوشیاں مناتے ہیں یہ سب خالص بدعت ہے۔

قیاس کے تین مقیاس

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ ایک قیاس وہ ہوتا ہے کہ شریعت کوئی حکم دیتی ہے اور اس کی علت و سبب بھی بتا دیتی ہے جیسے حضورؐ نے لمی کے بھوٹے کے لئے فرمایا: *انھا لیست بنحس انھامن الطوافین علیکم والطوافات* (وہ نجس نہیں بلکہ وہ تمہارے ساتھ رہنے والی ہے) اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی اپنے غلام کو ہدایت کرے کہ میرے گھر میں غلام کو داخل مت کرنا کیونکہ وہ بدعتی ہے یا کالا ہے۔ تو اس سے علت بنتی ہونا، یا کالا ہونا معلوم ہوگئی۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شریعت حکم کی علت تو نہیں بتاتی لیکن اس کی نظیر کی علت بتا دیتی ہے جیسے اس نے باپ کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنی نابالغ بچی کا نکاح بلا اس سے پوچھے کر سکتا ہے اسی طرح وہ اس کے مال کا مالک بھی بن سکتا ہے، تو کیا ہم اس سے سمجھ سکتے ہیں کہ ولایت نکاح کی علت بچی کی نابالغی ہے؟ یا اس کے مال کی ملکیت کی علت بھی یہی ہے؟ اہم ان کی کوئی اور علت نکال سکتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ کنواریں ولایت کی علت منصوص ہے، جس کو ملکیت کی علت بھی سمجھا گیا، اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ہم بغیر خاص دلیل کے دو چیزوں کی علت ایک نہیں مان سکتے۔ اس لئے مختلف علتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ جیسے حضورؐ نے سیح کرنے، مول بھاؤ کرنے اور پیغام نکاح میں مسابقت کرنے سے روکا ہے۔ اس کی علت دو مسلمانوں کے درمیان تعلقات کی ناخوشگوار ہے،

اسی طرح آپ کا حکم ہے: لَا تَنْكَحِ الْمَرْأَةَ عَلَى عَمَتِهَا، وَلَا عَلَى خَالَاتِهَا، فَإِنْ كُنْتُمْ إِذَا فَعَلْتُمْ، ذَٰلِكَ قَطَعْتُمْ أَسْرَ حَامِكُمْ (کسی عورت کا اس کی خالہ اور بھوپھی کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے، اگر تم ایسا کرو گے تو نا اتفاقی پیدا کر دو گے)

اس کے بعد وہ بتاتیں ہیں جن کی عقیقتیں بھی مخصوص ہیں، جیسے حضورؐ نے نماز اور روزہ کے لئے اپنی طرف سے کسی خاص وقت کی پابندی کو مکروہ سمجھا ہے، صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

لَا تَخْصُوا اللَّيْلَةَ الْجُمُعَةَ بِقِيَامٍ مِنْ قِيَامِ لَيْلٍ، وَأَوْ رُزْزَ كَ لَيْلٍ جَمْعَةٍ كَوَ خَاصِ اللَّيَالِي، وَلَا تَخْصُوا الْيَوْمَ الْجُمُعَةَ بِصِيَامٍ، وَكَرُوْهُ كَمَا جَمْعَتُمْ تَهَارَ سَلْسَلَةِ نَمَازٍ مِنْ بَيْنِ الْأَيَّامِ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي صَوْمٍ وَصِيَامٍ مِنْ اتِّفَاقٍ، بِطَرَا جَئِ لَوْ كَوْنُ حَرْجٍ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ. نہیں۔

صحیحین میں انہی سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جمعہ کا روزہ اس کے آگے پیچھے ایک اور روزہ کے ساتھ رکھا کرو۔

صحیحین میں محمد بن عباد سے اور حضرت ابن عباسؓ سے ایسی ہی روایات ہیں اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ ہی سے روایت ہے کہ رمضان سے ایک دو دن پہلے روزے نہیں رکھنا چاہئیں۔ روزے کے لئے شریعت نے دنوں کے حصے کئے ہیں، ایک قسم واجب روزوں کی ہے، جیسے رمضان، یا مستحب روزوں کی جیسے عرفہ اور عاشوراء کے روزے۔

ایک قسم وہ جس میں روزے مطلقاً منع ہیں، جیسے عیدین اور ایک قسم وہ جسے خاص طور پر منع کیا ہے، جیسے جمعہ اور آخر شعبان کے روزے، اس آخری قسم میں یہ ہے کہ

اگر دوسرے روزے بھی رکھے جائیں تو ان کی کراہت ختم ہو جاتی ہے۔۔۔ اس سے
 ظاہر ہوا کہ فساد کی جڑ اس امر کا بدعت ہونا ہے جو بغیر کسی وجہ تخصیص کے خاص کر دینے
 سے پیدا ہوئی ہے، جمعہ اور رمضان سے پہلے دنوں میں چونکہ فضیلت کی وجہ سے یہ عمل
 کیا جاسکتا ہے، اس لئے شریعت نے اسے روک دیا، غرض کوئی شخص غیر ارادی طور پر
 بھی ان دنوں میں روزے رکھتا ہے تو وہ کراہت سے خالی نہیں ہو سکتے، یہ بدعت
 چوتھی صدی ہجری کے بعد رائج ہوئی، اس لئے اسے قطعاً بدعت ہی کہا جائے گا۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ بدعتیں دراصل اعتقادات واجبہ اور اعمال شرعیہ
 کی ضد واقع ہوئی ہیں اور وہ لازماً شارع علیہ السلام کی مخالفت پر مبنی ہوتی ہیں، اور
 بالآخر آدمی میں نفاق پیدا کر کے رہتی ہیں۔

اس کی مثال یوں ہے کہ بعض لوگ ابو جہل اور عبداللہ بن ابی بن سلول کی
 امارت و ریاست سے مڑوب اور ان کے احسان مند تھے، اور جب انھوں نے ان کی
 مخالفت کا حکم دیا تو ان کے دلوں میں رسول اللہ سے منازعت کا جذبہ پیدا ہوا اور
 بعض اندر ہی اندر الجھ کر رہ گئے اور اس طرح اپنا ایمان خراب کر لیا، اسی لئے کہا جاتا
 ہے کہ بدعت کفر ہی کی ایک شاخ ہے۔

بعض لوگ بدعت کی وکالت اس طرح کرتے ہیں کہ آخر اس میں تو نماز، روزہ،
 ذکر و شغل اور اود و وظائف حسن نیت و اخلاص وغیرہ پایا جاتا ہے تو کیا یہ سب کارت
 جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر قصداً اور عمدہ کوئی بدعت سمجھ کر یہ نہیں کرتا بلکہ اجتہاد
 غلطی سے کرتا ہے تو ثواب یقیناً مل جائے گا لیکن کراہت بھی بہر حال باقی رہے گی اور بدعت
 کی سیاہی رنگ لائے گی۔

اس سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہر برائی میں کوئی نہ کوئی اچھائی بھی پوشیدہ ہے حتیٰ کہ کفار بھی اپنی عبادتوں میں کوئی نہ کوئی فائدہ محسوس کرتے ہیں لیکن بڑا حصہ نقصان ہی مشتمل ہوتا ہے اس لئے شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

ہم تو بے عتوں میں یہی کہتے ہیں کہ ”شمہ رسالہ کبر من نفعہما“ ان کا گناہ ان کے نفع کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے، رہا اور بنیہ کی بعض مختلف فیہ صورتیں اگرچہ موجب گناہ نہیں لیکن اس کے ساتھ ہی شرط ہے کہ اس کے شرائط سے اچھی طرح واقف ہو ابا حیوں کی پیروی نہ کرنا ہو اور نہ دین کے بارے میں عاجلانہ مزاج رکھتا ہو بدعت کے مفاسد اوپر بھی لکھ گئے ہیں اس کے ساتھ مزید کہا جاسکتا ہے کہ بدعت میں بعض اوقات نفس کو لذت ملنے لگتی، اور طبیعت کو چسکا پڑ جاتا ہے اسی لئے بعض اہل بدعت کو دیکھا جاتا ہے کہ فرض اعمال ان کے لئے بوجھ ہوتے ہیں لیکن اور اواد اشغال وہ بڑے شوق سے پورے کرتے ہیں۔ قرآن کی تلاوت چھوٹ سکتی ہے لیکن حزب البحر اور دعائے گنج العرش کا ناعہ کبھی نہیں ہو سکتا، اور پھر عوام و خواص پر بدعتوں کا ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ فرائض و سنن میں جو انہماک مطلوب تھا، اس کا رخ بدعتوں اور بدعتوں کی طرف ہو جاتا ہے، گویا وہ بدعت کو تو عبادت سمجھ کر لیکن فرائض و سنن کو عادت کے طور پر انجام دینے لگتے ہیں، اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ فرائض و سنن میں جو رحمت و مغفرت، رقت و انابت، اطہارت و خشوع، انصرع و ابتہال، عبدیت کی کیفیت اور دعا و مناجات کی لذت و صلاوت ہے اس سے محرومی ہی ہاتھ آتی ہے۔

اسی کے ساتھ معروفت و منکر کا معیار جس طرح مشتبہ ہو جائے گا آسمانی دین سے جہل جس قدر بڑھے گا اور اس کے نتیجے میں جاہلیت کی برہنیں جس طرح مضبوط ہو جائیں گی

اس کا اندازہ ہر اسلام پسند کر سکتا ہے۔

انہی مفاسد میں یہ شرعی مکروہات بھی ہیں جنہیں بدعتی برتنے ہیں جیسے افطار میں تاخیر، نماز عشاء میں غفلت اور اس کے لئے عجلت، بغیر ضرورت سجدہ سہو، بے اصل اور اداؤ کا رک کی پابندی، اس کے علاوہ بیشمار بدعتیں ہیں جنہیں طبع مستقیم اور قلب سلیم کے بغیر سمجھا نہیں جاسکتا۔ سب سے بڑی خرابی جو بدعت سے دل میں سما جاتی ہے وہ شریعت کے مقابلہ میں خود رائی، اور اتباع رسول کی جگہ نفس و خواہش کی پیروی ہے اس لئے کہ انسان طبعاً آزادی پسند واقع ہوا ہے اس لئے وہ ہر قسم کی تقلید سے پیچھا چھڑالینا چاہتا ہے، ابو عثمان نیشاپوریؒ نے اسی لئے کہا تھا:

ما تروا احداً شیئاً من السنن الا الکفر فی نفسه۔
 یا کبر نفس کے کوئی سنت کا ترک نہیں کرتا۔

عید کی بدعتیں

اوپر بتایا گیا ہے کہ عید، زمان و مکان اور اجتماع کا نام ہے، زمانے کے لحاظ سے جو عیدیں عید ہیں، راہ ہائے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ بے اصل طور پر کوئی نئی عید ایجاد کر لی جائے، جیسے رجب کی پہلی جمعرات اور اس جمعہ کی رات کی تعظیم جس کا نام ”رغائب“ رکھا جاتا ہے، یہ بدعت جو تھکی صدی ہجری کے بعد رائج ہوئی، اور اس کے لئے ایک موضوع حدیث شہود کی گئی۔

اسی طرح وسط رجب میں ”صلاة ۳۱ اؤد“ پڑھنے کی بدعت بھی کہیں کہیں پائی جاتی ہے، ہمدردی الحج کو حجۃ الوداع سے واپس آتے ہوئے ”غذیخیم“ کے پاس

آنحضرتؐ نے خطبہ دیا تھا جس میں آپؐ نے کتاب اللہ کی اتباع اور اہل بیت کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی تھی جسے زید بن ارقمؓ سے مسلمؒ نے روایت کی ہے۔

اس کی اصل بس اتنی ہی تھی لیکن عوام میں شیعوں نے یہ مشہور کیا کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ کے لئے بطور خاص فرش بچھو لیا اور ان کو اس پر بٹھایا تھا اور اس طرح گویا آپؐ کی خلافت کی توثیق کی تھی لیکن صحابہ نے اس وصیت کو چھپا دیا اور حضرت علیؓ سے خلافت غصب کر کے کفر و فسق کا از نکاب کیا لیکن صحابہؓ کی امانت و امانت دیکھتے ہوئے کوئی شخص اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا بلکہ خود اہل بیتؑ نے بھی اس کی طرف کہیں کوئی اشارہ تک نہیں کیا، آنحضرتؐ کے خطبہ کی وجہ سے اسے عید کے طور پر منانے کا جو از کسی طرح نہیں پیدا ہو سکتا اس لئے کہ آنحضرتؐ ہر اہم موقع پر خطبہ اور وصیت فرماتے تھے، یہ تو یہود و نصاریٰ کی عادت ہے کہ وہ اپنے نبی کے ہر اہم واقعہ کے لئے ایک عید منانا ضروری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ عید تو شریعت ہی مقرر کر سکتی ہے۔

انہی بدعتوں میں میلاد کی بدعت بھی ہے جو دوسری قوموں کی تقلید میں انجام دی جاتی ہے، پھر اس کی بنیاد محبت رسولؐ ہوتی ہے، اگر محبت رسولؐ ہے تو اس پر ثواب ملے گا، لیکن چونکہ اس کی شکل بدعت ہے اس لئے اس کی کراہت بھی باقی رہے گی اس بدعت کا تو عجیب حال ہے، یعنی محمدؐ بن اور مورخین آپؐ کی تاریخ ولادت کے بارے میں مختلف رائیں رکھتے ہیں لیکن میلاد کے لئے خود تاریخ متعین کر لی گئی ہے، لہٰذا کتاب کے محشی استاذ حامد انفقؒ نے یہاں اختلاف کیا ہے کہ بدعت میں ثواب کیسے ملے گا؟ اور اسے خطا را اجتہاد کی کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے، بلکہ صحیح تو یہ ہے کہ رسول اللہؐ کی اصل محبت ان کی اتباع ہے نہ کہ از نکاب بدعت۔

۱۲۷

اگر اس کی شریعت میں کوئی بنیاد ہوتی تو ظاہر ہے کہ سلف اس سے ضرور منع کرتے، ان اہل میلاد کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ یہ جتنا ہی میلاد میں گرم جوش ہیں اتنے ہی ابتداء سنت میں سست و کوشش! ان کی مثال اس طبقہ کی طرح ہے جو قرآن کو خوب سجاتا اور سنوارتا ہے، لیکن اسے پڑھنے کی زحمت کبھی نہیں کرتا، یا بعض لوگ مسجد تو شب بھر میں بنانے کی ہمت رکھتے ہیں، لیکن دو رکعت نماز بھی ان کے لئے بوجھ ہوتی ہے۔ حدیث میں انہی کے لئے آیا ہے کہ:

ماساء عمل امة قسط الا زخرفوا جب کسی امت نے اپنی مسجدوں کو سجا یا ہے
مساجدھم۔ تو ان کے اعمال میں خرابی آئی ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے یہاں فرمایا ہے کہ جس طرح بدعت بری ہے اسی طرح ترک سنت بھی کسی برائی میں کم نہیں۔

اسی سلسلے میں ایک بات یہ بھی ہے کہ اہل بدعت میں اگر محبت رسولؐ ہے تو اس کی قدر کرنی چاہئے اور اس کی اصلاح کر کے انھیں اتباع سنت پر لگانا چاہئے، امام احمدؒ کو بتایا گیا کہ فلاں امیر نے کوئی قرآن مجید ایک ہزار دینار میں تیار کر لیا ہے، تو امام نے اس کی قدر کی اور فرمایا کہ یہ رقم قرآن ہی پر خرچ ہوئی اس لئے اور دوسرے مصارف سے تو بہتر ہے۔ حالانکہ ان کا مسلک یہ ہے کہ قرآن مجید کی بہالو آمیز رائش مکروہ ہے۔

انہی بدعتوں میں یوم عاشورا، یوم عرفہ، عیدین، رمضان کا عشرہ اخیرہ، یوم النحر کے عشرہ اول، یوم جمعہ عشرہ محرم، کی بدعتیں ہیں، عاشورا میں شیعہوں کے اثر سے پیاسا رہنا، غم منانا، مجلس پڑھنا وغیرہ ہوتا ہے، لیکن شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے جگر گوشہ رسولؐ اور نور دیدہ بتولؑ اور اہل بیت کو فساد و فحار کے مقابلے میں عزت دی اور مسلمانوں کے احساسات کو صدمہ پہنچا تو اہل بدعت نے اسے دوسرا رنگ دیدیا جو مصائب کے وقت اسلام کی تلقین کے خلاف تھا۔
امام احمد اور ابن ماجہ نے فاطمہ بنت حسین سے روایت کی ہے:

من اصاب عصبية فذكر مصيبة / اگر کوئی مصیبت میں مبتلا ہوا اور پھر کبھی اپنی
فاحداث استرجاعاً وان تقادم / مصیبت یاد کر کے اس نے انا للشریعتھا تو اگرچہ
عهدھا اکتب الله له من الاجر / کتنی ہی پرانی بات کیوں نہ ہو گئی ہو لیکن
مثلاً یوم اصاب / اللہ تعالیٰ مصیبت کے دن کے جلیا اجر
اسے دوبارہ دیتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کا مزاج ماتم کے خلاف ہے۔ اس موقع پر جو لوگ غسل کرتے، سر نہ لگاتے، اور مصافحہ کرتے ہیں، وہ بدعت کرتے ہیں سنت تو صرف روزہ رکھنا ہے۔

ابراہیم بن محمد بن منشر سے اس دن کے بارے میں ایک روایت نقل کی جاتی ہے:
بلغنا ان من وشع علی اہل یوم / یوم عاشوراء کو اپنے گھر کے فرج میں زیادتی
عاشوراء وشع الله علیه سائر / کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سال بھر اس کے لئے
سنة (رواہ ابن عیینہ) / زیادتی رزق فرماتے ہیں۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ بے سند حدیث ہے، اور یہ اس وقت گڑھی گئی، جب خارجیوں اور شیعوں کا اختلاف عروج پر آگیا تھا، صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ نفیث میں ایک کذاب اور غارتگر پیدا ہوگا، اس کا مصداق مختار بن ابی علیہ تھا جو حضرت حسینؑ

کا حامی بنتا تھا لیکن کتاب وسنت کے مخالف رویہ اور حضرت علیؓ کے ساتھ غلو نے اسے کہیں کانہ رکھا، ابن ناصر نے بعض ایسی روایتوں کی توثیق کی ہے لیکن اس کا اعتبار نہیں۔

انہی بدعتوں میں رجب شریف کا منانا بھی ہے، وہ اشہر حرم (احترام کے مہینوں) میں سے ضرور ہے، لیکن اس کے لئے جو بدعتیں ایجاد کی گئی ہیں وہ غلط ہیں، آنحضرتؐ سے اس ماہ کے بارے میں آتا ہے:

اذا دخل شهر رجب جب رجب کا مہینہ شروع ہوتا تو آپ
قال: اللهم بارك لنا في شهرى فرماتے: اے اللہ! رجب اور شعبان کے
رجب وشعبان وبلغنا رمضان دونوں مہینوں میں ہمارے لئے برکت، طافرا
اور ہم کو رمضان المبارک دیکھنا نصیب کر

اس حدیث کے سوا رجب کی فضیلت میں کوئی اور دوسری حدیث ثابت نہیں اور یقینی حدیثیں کہی جاتی ہیں سب کی سب وضع کردہ ہیں، حدیث کے سلسلہ میں یہ ہے کہ اگر اس کا جھوٹ ثابت نہ ہو تو فضائل کے بیان میں اس سے مدد لی جاسکتی ہے، لیکن دوسری صورت میں اس کے مرتبہ کی صراحت ضروری ہے کہ حدیث کیسی ہے اور اس کی سند کیسی ہے؟ بعض سلف سے البتہ رجب کے عشرہ اول کی فضیلت ثابت ہے لیکن اسے حدیث کا درجہ کیسے مل سکتا ہے؟ اس لئے اس میں خاص طور پر روزہ رہنا امام احمدؒ کے ہاں کمزور ہے، جیسا کہ شیخینؒ اور دوسرے صحابہؓ سے مروی ہے، ابن ابہر کی روایت ہے کہ حضورؐ نے رجب کے روزے سے منع فرمایا ہے۔

۵ اشعبان کی فضیلت میں بھی بدعتوں کا سہارا لیا گیا ہے، اگرچہ مرفوع حدیثوں

میں خود ہی اس کے بہت سے مضائل آئے ہیں سلف میں بعض لوگ اس کے لئے نمازوں کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ اور اس کے علاوہ شعبان کے روزوں کے بارے میں احادیث صحیحہ بھی ہیں۔ تاہم علمائے سلف اور اہل مدینہ اس کی فضیلت کا انکار کرتے، اور اس سلسلہ کی حدیثوں کی صحت میں بھی تامل کرتے ہیں، جیسے اس حدیث کے بارے میں جس میں کہا گیا ہے کہ ”اشر تعالیٰ اس ماہ میں بنی کلب کی بکریوں کے بال سے بھی زیادہ لوگوں کی مغفرت کرتا ہے۔“

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم اور اکثر علمائے حنابلہ کا رجحان اس کی فضیلت ہی کی طرف ہے اور سنن و مسانید میں کچھ احادیث مروی بھی ہیں، البتہ صرف ۱۵ شعبان کے روزہ کی کوئی اصل ثابت نہیں بلکہ صرف اسے رکھنا مکروہ ہے، اسی طرح اس دن کا جلوه مانڈا اور دوسری خرافات سب بدعت میں شامل ہیں، اسی طرح ”صلاة الفیہ“ کے لئے جو اسی رات کو پڑھی جاتی ہے اجتماع عام کرنا بھی بدعت ہے، اس کے لئے وہ ایک نفل نماز ہے جس کے لئے وقت، عدد اور قرأت کی مقدار کا تعین، ہر چیز بدعت ہے اور اس نماز کے بارے میں تمام احادیث موضوع اور مخترع ہیں اور اس پر تمام علمائے حدیث کا اجماع ہے، یہ ایسے ہی جیسے ہر رات میں کوئی نماز ایجاد کر لی جائے، جیسے بعض لوگ اول رجب کی نماز پڑھتے ہیں اور بعض دیہاتوں میں مغرب کے بعد مغرب ہی کی طرح ایک اور نماز ہوتی ہے، جسے بڑا والدین کی نماز کہتے ہیں اسی طرح بعض من چلے بلا مردہ کے نماز جنازہ پڑھتے ہیں اور یہ نیت کرتے ہیں کہ تمام مسلمان مردوں کی طرف سے یہ نماز ادا ہوگی۔

لے صلاة الفیہ میں ایک ہزار بار قل ھما اشر پڑھی جاتی تھی۔

نفل نماز کے لئے یا تلاوت و اذکار کے لئے اگر کبھی کبھی اتفاقاً کوئی اجتماع ہو جاتا ہے تو یہ ایک اچھی چیز ہے اس لئے کہ آنحضرتؐ سے ثابت ہے کہ آپ نے کبھی کبھی نفل کی نماز بھی جماعت سے ادا کی ہے ایسے ہی آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ ذکر کی ایک مجلس میں آپ سننے والوں کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے اور آپ سے اس قوم کی فضیلت ثابت ہے جو کتاب و سنت کا مذاکرہ کرتی ہے۔ یا وہ جماعت جو ذکر الہی میں مشغول ہوتی ہے۔

جیسے یہ حدیث وارد ہوئی ہے:

ما جلس قوم فی بیت من بیت
اللہ یتلون کتاب اللہ و یتدارسوا
..... بینہم لا غشیتہم الرحمة
ونزلت علیہم السکينة وحققتہم
الملائكة و ذکرہم اللہ فیمن عنده
جب کوئی جماعت کہیں قرآن کی تلاوت کرتی
یا اس کے مطلب پر غور کرتی ہے تو رحمت
انہیں ڈھاک لیتی ہے ان پر سکینت کا نزول
ہوتا ہے، فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ
ملائکہ مقررین میں ان کا ذکر کرتا ہے۔

اسی کے ساتھ ایک اور روایت میں ان ملائکہ کا ذکر ہے جو مجالس ذکر کی تلاش
میں رہتے ہیں اور جب ذاکرین کی کسی جماعت کو دیکھ لیتے ہیں تو اپنے ساتھیوں کو
پکارتے ہیں کہ یہاں آؤ یہاں ہماری ضرورت کا سامان ہے (الذین یلقسون
جہالس الذکر فاذا وجدوا قومًا ینذرون اللہ تنادوا: ہلموا الی
حاجتکم) لیکن ان مجالس اور مواقع کے لئے کوئی تاریخ مقرر کر لینا اور اس کی
پابندی کرنا بدعت ہے، ابو بکر اخیال... کتاب الادب میں اسحاق بن منصور الکوسج
سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے کہا یہ تو مکروہ ہے کہ لوگ ذکر اللہ کیلئے

۱۳۲

جمع ہوں اور دعا کے لئے اپنے ہاتھ اٹھائیں؟ اس پر امام احمد نے فرمایا کہ اگر لوگ اتفاقاً جمع ہو جائیں تو میں اسے مکروہ نہیں سمجھتا لیکن اگر کثرت سے وہ ایسا کریں تو اسے مکروہ کہا جائیگا۔ (۳۴۲) اسحاق بن راہویہ کی بھی یہی رائے ہے۔ مروزی فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کہ اگر کوئی جماعت کسی قاری سے کچھ سنتی اور دعاؤں میں رات گزارتی ہے تو کیسا ہے؟ امام نے فرمایا کہ میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں؛ ارجوان لایکون بہ بائس۔ ابو السری احرلی کہتے ہیں کہ امام احمد فرماتے تھے:

وای شئی احسن من ان یجتمع
الناس یصلون ویذکرون ما انعم
الله بہ علیہم کما قالت الانصار
اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے کہ لوگ
جمع ہو کر ذکر و نماز میں مشغول ہوں اور
اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد کریں جیسا کہ
انصار کا معمول تھا۔

اس روایت میں انصار کے اس معمول کی طرف اشارہ ہے جسے محمد بن یزید نے روایت کی ہے کہ:

ثبت ان الانصار قبل قدوم
رسول الله صلی الله علیہ وسلم
المدينة قالوا: یونظرنا یوماً
فاجتمعنا فیہ فذکرنا هذا الامر
الذی انعم الله بہ علینا، فقالوا:
یوم السبت ثم قالوا لا یجاءع
بجھے روایت پہنچی کہ حضورؐ کی مدینہ تشریف
آوری سے قبل انصار نے ذکر کے لئے ایک
خاص دن مقرر کرنا چاہا تو بعض لوگوں نے
کہا شنبہ اس کے لئے ٹھیک رہے گا تو اس پر
اکثریت نے کہا کہ ہم یہود کے دن میں مصروف
ذکر نہیں ہوں گے بعض لوگوں نے یکشنبہ کی

۱۳۳

اليهود في يومهم قالوا فيم الاحد
قالوا: لانجام النصارى في يومهم
قالوا فيوم العروبة، وكانوا يسمون
يوم الجمعة يوم العروبة فاجتمعوا
في بيت الی امامہ أسعد... بن زرارہ
فذا بحت لهم المشاة فلفتهم۔
راے دی تو اسے بھی نصاریٰ کا دن کہہ کر
رو کر دیا گیا، اس کے بعد لوگوں نے کہا عربوں
کے دن میں کیوں نہ اسے رکھا جائے؟ (مجمعہ)
کو عربوں کا دن کہا جاتا تھا) چنانچہ اسی دن
اسعد بن زرارہ کے گھر میں لوگ جمع ہوئے
اور ایک کبریٰ کا گوشت ان کے کھانے میں

کاٹی ہو گیا۔

ابن مسلم طرسوسی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کہ اگر کچھ لوگ جمع ہوں
اور ایک آدمی غنیمت میں تلاوت کرے اور دوسرے سن کر روئیں اور چراغ بجھادیں
تو کیسا ہے؟ امام نے فرمایا، اگر ابو موسیٰ کی طرح پڑھا جائے تو کچھ حرج نہیں۔
خلال امام اذرائعی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کسی غیر متبعین دن میں
اجتماعی ذکر و شغل کی اجازت دی ہے۔

سندی انخوائی نے امام احمد سے پوچھا کہ آثار و مقابر پر جانا کیسا ہے؟ تو
انھوں نے فرمایا کہ ابن کثوم کی اس روایت کے بموجب کہ وہ اپنے گھر کو مسجد بنانا
چاہتے ہیں یا ابن عمرؓ کی روایت کہ وہ آنحضرت کے آثار و نقش قدم اور آپ کی
فرد کاہوں کی تماش میں رہتے تھے۔ ان دونوں روایتوں کو دیکھتے ہوئے اس کی
اجازت ہے، لیکن لوگوں نے اس میں غلو سے کام لینا بھی شروع کر دیا ہے۔ احمد بن قاسم
نے ان سے آثارِ مدینہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے یہی جواب دیا اور حضرت
ابن عمرؓ کے بارے میں یہ روایت پیش کی کہ:

۱۳۴

یتبع مواضع سیر النبی و فعلہ وہ ان جگہوں اور ان باتوں کی تلاش میں
حتیٰ روی یصب فی موضع ماء رہتے تھے جن سے آنحضرت کا تعلق ہوتا تھا
فسئل عن ذالک فقال رأیت پنا نچہ ایک بار انہیں ایک جگہ پانی بہاتے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ کر پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں نے آنحضرت کو
یصب ہنہا ماء۔ یہاں پانی بہاتے دیکھا تھا۔

لیکن امام احمد پابندی کو بدعت ہی کہتے ہیں اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن
مسعود نے جب لوگوں کو پابندی سے ایک جگہ ذکر کرتے دیکھا تو فرمایا:
یا قوم لا نتم اھدی من محمد مجھے بتاؤ کہ کیا تم محمد رسول اللہ سے بھی زیادہ
اولا نتم علی شعبۃ ضلالۃ۔ ہدایت یافتہ ہو گئے ہو یا گمراہی کی ایک راہ

پر چل پڑے ہو؟

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ وہ شرعی عبادات و تقریبات جو بار بار آتی رہتی
ہیں بندوں کو دوسری تقریبات سے بے نیاز کر دیتی ہیں، لیکن اس کے بعد بھی
نئی عیدوں اور بدعتوں کو رائج کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ آدمی نئی شریعت ایجاد کرنا
چاہتا ہے، صحابہؓ نے اسی شبہ سے بچنے کے لئے صوم رجب پر روک لگائی اور حضرت عمرؓ
نے بیعت رضوان کے یادگار درخت کو کٹوانے کا حکم دیا، اسی طرح جب انھوں نے
لوگوں کو آنحضرت کے مقام نماز پر نمانے کے لئے ہجوم کرتے دیکھا تو سختی سے منع کر دیا۔ او
فرمایا:

اتریدون ان تتخذوا الناس کیا تم اپنے نبی کے آثار کو سجدہ گاہ بنا نا
انبیاءکم مساجد۔ چاہتے ہو؟

ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح نفل کے لئے اوقات کی پابندی اور جماعت سازی کرنا بدعت ہے اسی طرح آثار و مشاہد کی زیارت کی پابندی بھی بدعت ہے۔ جو قلیل و کثیر، ظاہر و خفی، اور معتاد و غیر معتاد کے فرق کو ملحوظ نہ رکھنے سے پیدا ہوتی ہے، اسی طرح جو شے اصلاً مشروع ہے، لیکن پابندی کرنے سے وہ بھی بدعت بن جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ان مواقع پر مسجد میں شور و غل، مردوں اور عورتوں کا مخلوط مجمع، چراغاں اور روشنی، اور نمازیوں کی توجہ میں کسی طرح خلل ڈالنا یہ سب بدعت کی شکلیں ہیں اور ان کا حکم بھی ممنوعات مسجد (بیع و شرار، شعر خوانی، اور اقامت حدود وغیرہ) کی طرح ہے، شیخؒ فرماتے ہیں کہ صلاۃ الفیہ کے حق میں بعض متاخرین حنا بلر کی رائے ملتے ہیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر حدیث کی حیثیت کی طرف نہیں گئی۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ عبادات کی قسمیں ہو جاتی ہیں، ایک جو خصوصی طور پر مستحب ہیں جیسے فجر کی سنتیں، اور تراویح، اسی میں تہجد بھی داخل ہے، اسی کی دوسری قسم وہ ہے جو کسی سبب کے ساتھ تعلق ہوتی ہے، جیسے صلاۃ استسقاء، اور صلاۃ الآلیا (جو کسی عظیم واقعہ اور حادثہ فطرت کے وقت پڑھی جائے جیسے زلزلہ، سیلاب وغیرہ کے وقت) پھر باتو شریعت کی طرف سے اس کی تعداد بھی متعین ہوتی ہے جیسے وتر کی نماز، اور مطلق ہوتی ہے، جیسے جمعہ کی نماز سے پہلے کی نوافل، اس طرح بقیہ اقسام کی قسمیں ہو جاتی ہیں۔

عبادات کی دوسری قسم وہ ہے جو اپنے معنی کے لحاظ سے مستحب ہو جیسے نفل نمازیں

لے یہاں شیخ حامد الفقی محشی کتاب نے یہ اختلاف کیا ہے کہ نوافل اور ذکر و تلاوت تو سنون و مشروع ہیں

لیکن آثار و مشاہد کی زیارت کہاں مشروع ہے؟

تیسری وہ جو علیحدہ مکروہ لیکن دوسری نمازوں کے ساتھ مل کر مستحب ہو جاتی ہیں جیسے جمعہ کے دن قیام میل، اور کبھی نماز مطلق مکروہ ہوتی ہے، لیکن مخصوص حالات میں اس کی اجازت بھی دیدی جاتی ہے جیسے اوقات مکروہ میں نماز کے بارے میں ڈورایا ہیں کہ آیا وہ اس لئے مکروہ ہیں کہ لوگ کہیں عام طور پر ان اوقات میں نماز نہ پڑھتے لگیں یا یہ کہ وہ مطلق منع ہیں، مگر ضرورت کے مطابق کبھی رخصت بھی دیدی جاتی ہے، امام احمدؒ سے دونوں رائیں ثابت ہیں۔

عید مکانی کی بدعتیں

شیخؒ فرماتے ہیں کہ کبھی عملی عید کی بدعتوں کے ساتھ کسی مخصوص مقام کی قید بھی لگالی جاتی ہے، جو خروج عن الشریعت اور بے دینی تک پہنچا دیتی ہے، جیسے عرفہ کے دن کچھ خوش عقیدہ لوگ بعض صاحبین کے مزاروں کا رخ کرتے اور عرفہ مناتے ہیں، ایسے ہی عرفہ کے لئے بیت المقدس کا سفر کرتے ہیں۔ قدس کی زیارت نماز اور اعکاف کے لئے مشروع ہے لیکن ایام حج میں اس کا قصد مکروہ ہے، اس لئے کہ اس کی زیارت کا کوئی متعین وقت نہیں، اسے کعبہ کا مقام دنیا کی کسی طرح صحیح نہیں، جیسا کہ بعض جاہل، صخرہ کا طواف کرتے اور سر منڈالتے ہیں، ایسے ہی بعض جبل رحمت کے قبہ کا طواف بھی کر بیٹھتے ہیں اور بعض ارباب حال مسجد اقصیٰ میں سماع اور دف بجانے کا شغل انجام دیتے ہیں، عرفہ کے دن اپنے شہر کی مسجد میں نماز و دعا کے لئے جانا ابن عباسؓ اور لہ عید مکانی سے مراد وہ عیدیں ہیں جو کسی مخصوص مقام پر انجام دی جاتی ہیں اب تک جن بدعت عیدوں کا بیان تھا، وہ وقت و زمانہ سے متعلق تھیں، اس لئے انھیں عید زمانی کہا جاسکتا ہے مرتب

عمر بن حریش سے ثابت ہے بصرہ و مدینہ کے کچھ علماء بھی اس کے قائل ہیں اور امام احمد نے بھی رخصت دی ہے لیکن وہ اسے اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

لیکن کو فر اور مدینہ کے بعض علماء جن میں ابراہیم غمیؒ اور امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ بھی شامل ہیں اسے کروہ کہتے ہیں، مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ کو کہتے سنا کہ آدمی کو دو خفیہ طور پر مانگنا پابغہ ہے، وہ اسے صحابہ کی رائے بھی قرار دیتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ امام احمدؒ نے قادیان اور سعید بن مسیبؒ سے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ۔

احداث الناس بالصوت عند الدعاء لوگوں نے دعا کے ساتھ بلند آوازیں اسیجا د کر لی ہیں۔

سعید بن عروبہ سے روایت ہے کہ مبادل بن سعید نے کچھ لوگوں کو دعائیں پڑھواتے دیکھا تو ان کے پاس گئے اور کہا لوگو! اگر سلف کے عمل کے ساتھ یہ زیادتی کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے چنانچہ وہ لوگ ایک ایک کر کے چپکے سے کھسک گئے۔

ابو الیقیناج کہتے ہیں میں نے امام حسنؒ بصری سے پوچھا ہمارا امام وعظا کتنا ہے اور لوگ آخر میں زور سے دعائیں مانگتے ہیں تو امام نے فرمایا۔

ان رفع الصوت بالدعاء بعدة زور سے دعا مانگنا بدعت ہے۔

وان مد الايدي بالدعاء بعدة دعا کے لئے ہاتھ بھیلنا بدعت ہے۔

وان اجتماع الرجال والنساء بعدة مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع بدعت ہے۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا اختلافی مسئلہ ہے، اور اس کے متعلق مختلف حدیثیں ہیں، امام فرماتے ہیں کہ سنت پر کوئی نہیں عمل کرتا لیکن بدعت کی طرف سب پکڑتے ہیں، عید کی تکبیروں اور مردوں کے بعد عورتوں کو خطاب کرنے کی سنت،

عید گاہ کے پاس ہی قربانی کرنے کی سنت وغیرہ کو کوئی انجام نہیں دیتا۔ حالانکہ دین تو معروفت کے کرنے اور حکم دینے اور منکر سے رکنے اور روکنے ہی کا نام تھا۔

فان الدين هو فعل المعروف والا مریہ وترك المنکر والہی عنہ۔

شیخ فرماتے ہیں کہ عید مکائی کی پھر ۳ قسمیں ہو جاتی ہیں، جیسے عید زمانی کی تین اقسام تھیں، ایک وہ جس کی شریعت میں کوئی خصوصیت نہیں، دوسری وہ جس میں خصوصیت تو ہے، لیکن عبادت بدعت ہے، تیسری وہ جس میں عبادت ہے، لیکن عید منانا نہیں ہے، ان تینوں کے بارے میں آثار مروی ہیں، جیسے مقام بوانہ پر ایقانے نذر کی رخصت آپ نے دی۔ یا فرمایا کہ میری قبر کو عید گاہ مت بنانا۔ یا یہ کہ حضرت عمرؓ کا انبیاء کے آثار کو عید گاہ بنانے سے روکنا۔ اس لئے ذکر و دعا اور نماز کے لئے کسی مقام کو خاص کرنا کھلی گمراہی ہے۔ اور اگر اس میں کفار و مشرکین کے بھی آثار ہیں تب تو اس کی قباحت اور بڑھ جاتی، اور وہ لات و منات کی عبادت بن جاتی ہے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ ان بتوں کی تقسیم بھی علاقائی تھی۔ لات اہل طائف کا خدا تھا، جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ ایک نیک آدمی تھا جو حجاج کو ستوا کھلاتا تھا، جب وہ مرا تو لوگوں نے اس کی قبر پر اس کا بت نصب کیا اور اس مقام کو بیت الرتبہ کا نام دیا، فتح مکہ کے بعد ۹۷ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اسے منہدم کیا۔

عزتری عرفات کے قریب واقع اور اہل مکہ کی دیوی تھی، آنحضرتؐ نے خالد بن ولیدؓ کے ذریعہ اس کا استیصال کرایا اور وہاں کے خزانہ کو تقسیم فرمایا، اس وقت وہاں سے ایک پریشان حال اور زو و لیدہ، مو شیطانہ کو دیکھا گیا جو بھاگی چلی جا رہی تھی، مناة اہل مدینہ کی دیوی تھی جس کی بچے پکاری جاتی تھی۔

۱۳۹

یہ مشرکین کے حالات اور بعثت کے وقت عرب کے احوال سے آگاہ ہونا اور شریعت کو سمجھنا چاہنا ہے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، عرب کی تاریخ، اور ازرتی وغیرہ کی کتابیں دیکھنا چاہئیں، وہ فرماتے ہیں کہ کسی مخصوص عبادت گاہ اور مقام کے لوگوں پر صدقہ کی نذر ماننا بھی بدعت اور مشرکین سے مشابہت ہے اس لئے کہ حضرت ابراہیم نے ان بتوں کے پیاریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

مَا هَذِهِ إِلَّا تَمَازِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا كَاظِمُونَ۔ (۵۲:۲۱)

ان بتوں کی حقیقت یہی کیا ہے جن کے استھانوں پر دھرتا دسے بیٹھے ہو؟

شیخ فرماتے ہیں کہ مزاروں کے پیروں، فقروں، بجاوروں کو ہدیہ اور نذرانہ دینا اگر جا کے راہبوں، مندروں کے سنیا سیوں اور پنڈتوں، اور بدھ کے استوپ کے چیلوں کو نذرانہ دینے کے مرادف ہے۔

چند بدعت گاہوں کی نشاندہی

چوتھی طبقوں میں ہمیشہ نامعلوم مزاروں کو کسی مشہور و معروف شخصیت کی طرف منسوب کر کے عوام کی توجہ اپنی طرف کر لی جاتی ہے اور اس طرح اکل حرام کا کاروبار چل نکلتا ہے۔

دمشق میں پوربی دروازہ سے باہر ابی بن کعب کی شہادت گاہ کہی جاتی ہے حالانکہ اہل علم متفق ہیں کہ ان کی وفات دمشق میں نہیں بلکہ مدینہ منورہ میں ہوئی ہے ایسے ہی جامع دمشق کی مغربی دیوار کے پاس حضرت ہود کی قبر بتائی جاتی ہے لیکن میں کسی اہل علم کو نہیں جانتا جو حضرت ہود کی موت کو دمشق میں بتاتا ہو بلکہ میں ایک نام

لیا جاتا ہے، آپ کی بعثت بین میں اور ہجرت مکہ کی طرف ہوئی تھی، لیکن شام سے آپ کا کوئی تعلق نہ تھا۔

دشوق کے مغربی دروازے پر اویس قرنیؓ کی قبر بھی جاتی ہے، لیکن مجھے معلوم ہے کہ حضرت اویسؓ نے دشوق میں وفات پائی تھی، اور نہ وہ یہاں کبھی آئے تھے، بلکہ وہ یمن سے عراق آئے تھے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ صفین میں ان کی شہادت ہو گئی تھی، کچھ کہتے ہیں کہ ان کی موت نواحی ایران میں ہوئی۔

ایسے ہی ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی قبر مشہور ہے لیکن ان کا کبھی دشوق آنا ہی ثابت نہیں، اس لئے کہ وہ آنحضرتؐ کے بعد سفر کرتی ہی نہیں تھیں، بلکہ یہ ام سلمہؓ اسلام آباد بنت یزید بن سکن انصاریہ ہو سکتی ہیں۔ اس لئے کہ اہل شام جیسے شہرین خوشب جب ان سے روایت کرتے ہیں تو انھیں "ام سلمہ" ہی کہتے ہیں۔ جو حضرت معاذ بن جبلؓ کی چچمی بہن اور اعیان صحابیات میں تھیں یا یہ ام سلمہؓ یزید بن معاویہؓ کی بیوی ہو سکتی ہے، لیکن وہ علم و دین کے لحاظ سے شہرت نہیں رکھتی تھی۔ اس لئے یہ امکان بعید ہے۔

قاہرہ میں ایک مدفن راس حسینؓ کے نام سے مشہور ہے اس کی اصل یہ ہے کہ عسقلان میں ایک قبر تھی جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس میں حضرت حسینؓ کا سر اقدس مدفون ہے جسے قاہرہ لیجا کر دفن کیا گیا لیکن یہ سب بالکل غلط اور افواہ ہے اسی سلسلہ میں "قدم رسولؐ" کی دریافت "جگہ جگہ ہوتی نظر آتی ہے۔"

لے ہندوستان میں بھی متعدد مقامات پر قدم رسولؐ کے نام پر قدموں کے نشان اور ان پر ماترین کی گئی ہیں بہر حال میں ایک عادت سے اسے دیکھا جس میں پتھر پر ایک بڑے پاؤں اور ہاتھ کی چھاپ کو دو گز نمایاں کی گئی ہے، اور اسے قدم رسولؐ کہتے ہیں۔

صفحہ بیت المقدس کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ اس میں آنحضرت کے نقش قدم موجود ہیں، دمشق کی مسجد قدم میں حضرت موسیٰ کا نقش قدم بتایا جاتا ہے لیکن یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ حضرت موسیٰ دمشق اور اس کے اطراف میں بھی تشریف نہیں لائے، اسی طرح اگر کسی مقام پر کسی نبی یا ولی کی خواب میں زیارت ہو جاتی ہے تو اس مقام کو بھی مقدس سمجھا جانے لگتا ہے، بعض مقامات پر کسی مرد صالح کی تصویر یا اس کے کسی عضو کی تصویر بنا کر اس سے برکت طلب کی جاتی ہے، جیسے دمشق میں ایک مسجد الکف مشہور تھی، اس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ نقش کف حضرت علیؑ کے ہاتھ کا نقش ہے، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ خود بخود ڈھکے گیا۔

حجاز میں بدر سے مکہ جاتے ہوئے دائیں ہاتھ پر ایک غار مشہور ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ وہی غار ہے جس میں آنحضرتؐ اور حضرت صدیقؓ نے پناہ لی تھی، لیکن سب جانتے ہیں کہ یہ وہ غار ہے جو کہ کے قریب جبل ثور میں واقع ہے، ان مقامات کا حکم مسجد ضرار کی طرح ہے، جس میں کھڑا ہونا اور نماز پڑھنا منع فرما دیا گیا تھا۔

اہل علم کے ایک حلقہ کا خیال یہ ہے کہ انبیاء میں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک متعین اور محفوظ ہے، اور کسی نبی کی نہیں، لیکن بعض لوگ حضرت ابراہیمؑ کی قبر ثابت کرتے ہیں، دمشق کے باب صغیر کے پاس صحابہؓ کے مزارات کہے جاتے ہیں، لیکن ان کی تعیین مشکل ہے، اس کے ساتھ ہی ان مقامات کو مقدس سمجھنا اور پابندی سے ان پر حاضری دینا ان کے لئے نذرانا بالکل غیر اسلامی شعار ہے، مذکر کے بارے میں حضورؐ فرماتے تھے:

۱۴۲

انہ (ایاتی بخیر و غایتیغ ج یہ کہ اس میں کوئی بھلائی نہیں مگر یہ کہ اس سے بخیر البصیل۔ کے پاس سے بھی کچھ نکل آتا ہے۔

اجابت دعا کے لئے جان لینا چاہئے کہ اس کا سبب کبھی دعا گو کا اضطراب و تضرع اور اس کی مخلصانہ التجا ہوتی ہے کبھی محض اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے کبھی وہ تقدیری طور پر انجام پاتا ہے اور کبھی دوسرے اسباب بھی ہوتے ہیں اسی لئے دعا کے مطابق پورا اثر ایک بڑی آرائش ہے کفار کی دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں لیکن یہ ان کے لئے ہلاکت ہی ہوتی ہیں۔

كُلُّ عِدُوٍّ هُوَ لَدِيَّ وَهُوَ لَكُمْ مِنْ عَطَايَ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاؤُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ہم آپ کے رب کی عطا سے سب کو دیتے ہیں اور آپ کے رب کی عطا کسی پر بند نہیں۔

(۲۰:۱۷)

بعض مقامات کی خصوصیت ہے لیکن انھیں عید گاہ اور عبادت گاہ بنانا روح اسلام کے منافی ہے ان جگہوں میں انبیاء اور صالحین کی قبریں ہیں لیکن قبروں کے بارے میں آنحضرت کی تعلیم ہے:

لا تجعلوا بیوتکم قبورا ولا تجعلوا اپنے گھروں کو قبرت بناؤ اور نہ میری قبر کو قبری عید اوصلوا علی فنان عید گاہ بناؤ مجھ پر درود پڑھو تم جہاں سے بھی صلاؤ تم تبلیغی حیثیت لکھو۔ (ابوراد)

ابوعلیٰ موسلی نے ابوبکر بن ابی شیبہ سے روایت کی ہے کہ علی بن حسین (امام زین العابدین) نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مزار شریف کے ایک کونے میں داخل ہو کر دعا مانگتا تھا آپ نے اسے روکا اور مذکورہ بالا حدیث سنائی۔

۱۴۳

سعید بن منصور نے بھی اپنی سنن میں یہی روایت بیان کی ہے ان کی دوسری روایت یہ ہے کہ ابن ابی سہیل کو حسن بن حسن نے قبر مبارک کے پاس دیکھ کر بلایا اور پوچھا قبر کے پاس کیا کر رہے تھے میں نے کہا سلام عرض کر رہا تھا اس پر آپ نے فرمایا کہ جب مسجد میں داخل ہو اسی وقت سلام کہہ لیا کرو اور پھر آپ نے وہی روایت اس اضافہ کے ساتھ بیان کی۔

لعن الله اليهود اتخذوا قبورا انبياء
مساجدا ما انتم ومن يبلد لى
خدا يہود پر سخت کرے کہ انھوں نے اپنے انبیاء
کی قبروں کو مسجد گاہ بنالیا تم اور جو اندلس میں
ہیں وہ برباد ہیں (یعنی جہاں سے درود بھیجے گا
پہنچ جائے گا)

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ روئے زمین پر قبر نبوی سے زیادہ با عظمت اور کوئی قبر نہیں لیکن اس کے لئے بھی آنحضورؐ نے سختی سے کسی میلے اور غرس سے روک دیا تو پھر اور کس کی قبر کے لئے یہ سب جائز ہو سکتا ہے۔

پھر یوں بھی درود و سلام پہنچانے کے لئے جسمانی حاضری کی ضرورت نہیں اس لئے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ درود جہاں سے بھی پڑھا جائے وہ ان تک پہنچتا اور خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا ہے۔

ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے:-

ما من احد یسلم علی الارواح علی
روحی حتی ارد علیہ السلام صلی اللہ
عہ وسلم
جب کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح
مجھے لوٹا دیتا ہے جسکے سبب میں اس کے سلام کا ثواب
دیتا ہوں کہ خدا اس پر بھی رحمت اسلامی نازل کرے

۱۲۴

ابوداؤد ہی نے اویس بن اویس سے روایت کی ہے کہ حضور نے فرمایا:

اَلْثَرَوَانِ الصَّلَاةِ عَلٰی یَوْمِ الْجُمُعَةِ
وَلِیْلَةِ الْجُمُعَةِ فَاِنْ صَلَّاتُكُمْ مَعْرُوْثَةً
عَلٰی قَالُوا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ
تَعْرِضُ صَلَّاتِنَا عَلَیْكَ وَقَدْ اَرَمْتُ؟
فَقَالَ: اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرَضِ
اَنْ تَاْكُلَ لَحْمَ الْاَنْبِیَاءِ۔

جمعہ کے دن رات میں مجھ پر کثرت سے درود
بھیجوا اس لئے کہ تمہارا درود مجھے پیش کیا جاتا
ہے، لوگوں نے حیرت سے پوچھا کہ آپ کا جسم
تو فنا ہو چکا ہوگا؟ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا
اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسم کو حرام کر دیا
ہے۔

مسند ابن ابی شیبہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا:-
مَنْ صَلَّى عَلَی سَمْعَةٍ وَمِنْ صَلَّی عَلَی
بُودُورٍ سَے درود پڑھتا ہے اسے سننا ہوں، او
نا مِیَّا بَلِغْتَهُ۔ (داؤد قطنی)

جو مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اسے سننا ہوں، او
بودور سے درود پڑھتا ہے اسے مجھ تک پہنچا دیا
جاتا ہے۔

نسائی میں ہے کہ حضور نے فرمایا:-

اِنَّ اللّٰهَ وَكُلَّ بَقْعَةٍ مَّلَآئِكَةٍ
یَبْلُغُوْنَ عَنْ اَمْتِی السَّلَامَ۔

اللہ نے میری قبر کے لئے ایسے فرشتے مقرر کئے
ہیں جو مجھ تک میری امت کے سلام پہنچاتے ہیں۔

اس کے علاوہ متعدد حدیثیں ہیں جن کا مفہوم یہی ہے۔

عام مسلمانوں کی قبروں کا یہ حکم ہے کہ وہ قابل احترام ہوتی ہیں اس لئے کہ وہ
مسلمان بیت کا مکان ہیں جن پر بالاتفاق نجاست نہیں ڈالی جاسکتی، نہ انھیں روندنا
جاسکتا ہے، نہ ان پر تکیہ لگایا جاسکتا ہے، نہ اور کسی قسم کی توہین کی اجازت دی جاسکتی
ہے اور نہ وہاں بدکلماتی وغیرہ کی اجازت ہے، بلکہ قبرستان میں کلام اور دعا کا حکم ہے

۱۲۵

بریدہ بن حصیبؓ فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ کسی قبرستان میں جا سکتے تو فرماتے :-

السلام علی اہل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانان شاء اللہ بکم لاحقون نسأل اللہ لنا ولكم العاقبة
اہل مقام کے مومنین و مسلمین پر سلام ہم بھی انشاء اللہ آپ سے ملنے والے ہیں، ہم انشاء سے اپنے اور آپ کے لئے عاقبت کی دعا کرتے ہیں۔ (مسلم)

دوسری روایت میں : یرحم اللہ المستقدمین منا والمتاخرین» کے الفاظ زیادہ ہیں۔

ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے، میں نے آنحضورؐ کو بقیع میں کتے سنا :-

السلام علیکم دار قوم مومنین انتم لنا فرط ونحن بکم لاحقون اللهم لا تحرمنا اجرهم ولا تفتننا بعدہم۔
مومن قوم کے گھر پر سلام تم ہمارے پیشرو اور ہم تم سے ملنے والے ہیں، اے اللہ ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ رکھ اور ہمیں ان کے بعد آزمائش میں نہ ڈال۔

ابن عباسؓ سے مدینہ کے قبرستان کے سلسلے میں آنحضرتؐ کی دعا اس طرح مروی ہے :-

السلام علیکم یا اہل القبور یغفر اللہ لنا ولكم انتم سلفنا ونحن بالآثر مغفرت کے تم سلف ہو اور ہم تمہارے پیچھے ہیں۔ (احمد و ترمذی)

ابوداؤد کی حدیث ہے کہ جب کسی مردے کا شناسا اس کی قبر سے گزرتا اور سلام

۱۲۶

کرتا ہے تو اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے، اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔
تلقین میت کو دفن کے بعد لوگوں نے اچھا سمجھا ہے اگرچہ اس کی حدیثیں اس پایہ
کی نہیں لیکن حنا بلہ نے بھی جائز کہا ہے، ابن بطہ نے الابانہ میں نافع کی روایت لکھی ہے
کہ حضرت ابو بکرؓ کو میں نے... اسے زائد مرتبہ مزار شریف پر لے آئے اور کہتے سنائے کہ نبی پر سلام
ہو، اور ابو بکرؓ کو سلام، اور میرے باپ عمرؓ کو سلام ہو۔

زیارت قبر فی الجملہ جائز ہے حتیٰ کہ کفار کی قبروں کو بھی دیکھا جاسکتا ہے،
صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ: حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ
کے لئے استغفار کی اجازت چاہی تو مجھے نہیں ملی لیکن زیارت کی اجازت ملی۔

دوسری روایت ہے:

ذوالنبی صلی اللہ علیہ وسلم	نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی
قبر امام جعفریؑ و ابی منیہ فولہ فقال	زیارت کے موقع پر رونے اور آپ کے ساتھ کے
استاذنت ربی ان استغفر لها فلم	لوگ بھی رونے پھر اپنے فرمایا کہ میں نے دعا سے
یاذن لی، واستاذنتہ فی ان ازور قبرہا	مغفرت کی اجازت چاہی تھی لیکن صرف
فأذن لی فزوروا القبور فانہا تذكروا الموت	زیارت کی اجازت ملی قبروں کی زیارت
	کرو کیوں کہ وہ موت کو یاد دلاتی ہے۔

حدیث "لا تشد الرحال" کے پیش نظر مقابر و مزارات اور مساجد ثلاثہ کے

لے قبروں کی زیارت کی پہلے ممانعت تھی بعد میں اس شرط کے ساتھ اجازت ملی کہ وہ موت اور آخرت کو یاد
دلاتی ہے اگر کسی مسلم اور غیر مسلم کی قبر کی زیارت، عبرت و موعظت کے لئے نہ ہو بلکہ عزت و عظمت
اور خراج عقیدت کے خیال سے اور بار پھول چڑھانے کے لئے ہو تو اس کی اجازت اس حدیث سے نہیں ملتی
مرتب

۱۴۷

علاوہ کے لئے سفر ممنوع ہے، البصرہ بن ابی البصرہ غفاریؓ نے جب حضرت ابوہریرہؓ کو کوہ طور کی زیارت سے واپس آتے دیکھا تو فرمایا کہ اگر میں نے پہلے آپ کو دیکھا ہوتا تو وہاں جانے نہ دیتا، اس لئے کہ حضورؐ نے شدر حال سے منع فرمایا ہے۔

دوسرا کوہ بخوزین کا ہے جن میں غزالیؒ، ابو الحسن بن عبدوس احرانیؒ، ابو محمد قدسیؒ ہیں۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا ہے کہ قبروں کی بے جا تعظیم کی ہر صورت کو شریعت نے اسی لئے ناپسند کیا ہے کہ وہ شرک کی سنگ بنیاد ہے، اگلی امتوں کی گمراہیاں یہیں سے شروع ہوئیں کہ انھوں نے اپنے صاحبین اور بزرگوں کی وفات کے بعد ان کی یادگاریں MEMORIALS بنا کر انھیں خراج عقیدت پیش کرنا ضروری سمجھا۔ رفتہ رفتہ یہ عقیدت عبادت سے بدل گئی اور باقاعدہ ان کے نعشوں، بتوں اور تصویروں کی پوجا ہونے لگی، عرب کے مشہور بت لاث اس نام کا ایک صاحب آدمی جب مرا اس کے مریدوں نے اس کی پوجا شروع کر دی، اسی طرح، ودا سواع، بنو ث، یعوق، اور نسر، حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان گزے ہوئے صاحب لوگ تھے جن کی بعد میں پوجا ہونے لگی۔ محمد بن جریر طبریؒ نے اس موقع کی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ صاحب لوگ تھے جن کے مرنے کے بعد ان کے پیروں نے یہ طے کیا کہ ان کی تصویریں عبادت کے وقت ہمارے سامنے رہیں تو خیال کو جانے میں آسانی ہوگی، اور عبادت کا لطف بھی بڑھ جائے گا۔ اور جب یہ طبقہ مراؤشیطان نے بعد کے لوگوں کو یہ سمجھا دیا کہ تمہارے اسلاف تو انہی بتوں اور تصویروں ہی کی پوجا کرتے اور مشکلات میں مدد مانگتے تھے، چنانچہ اس طرح باقاعدہ شرک کا آغاز

ہو گیا، قتادہ کی رائے ہے کہ یہ بڑے حضرت نوحؑ کی قوم کی ایجاد تھے، جن کی روایت پر عربوں نے بھی ان کی پوجا شروع کر دی، شیخ الاسلامؒ کا کہنا ہے کہ احترام و تعظیم کے بارے میں بھی اسلامی تعلیمات اعتدال اور توازن کا نمونہ ہیں:-

ولكن دين الله بين الغالي فيه والنجافي عنه فان النصراني عظموا الانبياء حتى عبدوهم وعبدوا تماثيلهم واليهود استغفوا دهم حتى قتلوهم والامة الوسط عرفوا مقاديرهم فلم يغلو افيهم غلو النصراني ولم يحفوا عنهم حفاء اليهود ولهذا قال صلى الله عليه وسلم فيما صح عنه: لا تطروني كما اطرت النصراني عيسى بن مريم وانما انا عبد، فقولوا عبد الله ورسوله-

خدا کا دین افراط اور تفریط کے درمیان ہے، نصاریٰ نے انبیاء کی ایسی تعظیم کی کہ ان کی عبادت کرنے اور ان کی تصویروں کو پوجنے لگے، اور یہود نے ان کی ایسی توہین کی کہ ان کو قتل میں بھی کوئی ہلکا نہیں تھا، امت وسطیٰ نے انبیاء کی عظمت کا صحیح ادراک کیا اس لئے انھیں نصاریٰ کی طرح غلو کیا نہ یہود کی طرح بے رخی برتی، اس لئے حضورؐ نے فرمایا: مجھے اس طرح نہ بڑھادینا جیسے نصاریٰ نے عیسیٰؑ کو بڑھایا میں تو صرف ایک بندہ ہوں، مجھے خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہی سمجھو۔

قبروں پر دعا کا حکم

شیخ الاسلامؒ یہ تصریح کرتے ہوئے کہ ان کے مسلک میں قبروں کے پاس نماز صحیح نہیں ہوتی فرماتے ہیں کہ قبروں پر دعا مانگنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اتفاقاً

کسی وجہ سے قبر کے پاس دعا کا موقع آگیا جیسے کوئی دعا کرتا ہو راستہ میں جا رہا تھا کہ کوئی قبر آگئی تو اس میں کوئی حرج نہیں، دوسری شکل یہ کہ یہ سمجھ کر کہ فلاں کی قبر کے پاس دعا زیادہ قبول ہوگی تو یہ قطعاً ممنوع ہے۔

اور یہ روایت کہ اذا تخیرتم فی الامور فاستعینوا باهل القبور (جب تم مشکلات میں گھر جاؤ تو اہل قبور سے مدد مانگو) یہ بالاتفاق موضوع اور کذب ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا اس ممانعت میں مصلحت یہی تھی کہ دلوں کی رغبت و رہبت اور خوف و طمع کا کوئی تعلق قبروں سے باقی نہ رہے، فرماتے ہیں کہ عام حالات میں ایسی جگہوں پر نماز پڑھنا اتنا برا نہیں جتنا حالت اضطرار و اضطراب میں کسی کا ان قبروں کے پاس دعا مانگنا، اس لئے اس صورت میں بندہ حاجت روائی اور مقصد برآری کے لئے ہر ممکن صورت اختیار کرتا ہے اور اچھے اچھے خوش عقیدہ اور صحیح انجیال لوگ بھی ایسے حالات میں ان حالات کا شکار ہو جاتے، اور نفس نہیں یہ دھوکہ دیتا ہے کہ اضطراری حالات میں تو مردار بھی حلال ہو جاتا ہے حالانکہ یہ نفس کی اتباع کے سوا کچھ نہیں اور اس کا حاصل شرک جلی ہے کہ جس سر کو ایسے وقت میں خدائے رحیم و کریم کے سامنے جھکنا تھا، وہ درگاہ غیر پر پڑا ہوا ہے:-

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بارت

تو جھکا جب غیر کے آگے رتن تیرا نہ من ! (اقبال)

شیخ فرماتے ہیں کہ یہ قبروں پر دعا کی بدعت تو دوسری صدی ہجری کے بعد کی ایجاد ہے، صحابہؓ اور تابعینؒ کے عہد میں اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا، عہد صحابہؓ میں کئی دفعہ قحط پڑا اور حوادث پیش آئے لیکن تبریزی کے پاس اگر انھوں نے کبھی دعا

نہیں کی بلکہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کے وسیلے سے دعا کی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہا کشف عن قبور النبیؐ لینزل المطر فانہ رحمۃ تنزل علی قبورہ (انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے بارش کے لئے پردہ وغیرہ ہٹا دیا اس لئے کہ بارش بھی خدا کی رحمت ہے جو ان کی قبر پر نازل ہوتی ہے) جب عہدنا بعین میں قبر مبارک پر حجرہ کی تعمیر ہوئی تو لوگوں نے قبر کے اوپر کی چھت کو آسمان کی طرف کھلی رکھا جو اب بھی باقی ہے اور اس کے کنارے موم بٹیاں لگی رہتی ہیں جنہیں پتھر روکے رہتے ہیں چھت اسی طرح بہت بلند تک کھلی رہی یعنی ۷۵ فٹ کے لگ بھگ جب سجد و منبر آتشزدگی کے حادثہ سے دو چار ہوئے اور حجاز میں اس غضب کی آگ لگی کہ بصری میں دیکھی جاسکتی تھی، اور اس کے بعد عالم اسلام پر تباہیوں کا سیل بلاخیز ٹوٹ پڑا تو لوگوں نے پوری چھت تعمیر کر دی اور حجرہ شریف کے گرد و کھڑی کی دیوار کھڑی کر دی گئی اور اس کے کئی سال بعد چھت پر قبہ مبارک کی تعمیر ہوئی جس کی کچھ علمائے حق نے مخالفت بھی کی۔

محمد بن اسحاق کے معازی میں ابوالعالیہ سے روایت ہے کہ جب ہم نے شتر فتح کیا تو ہرمزان کے بیت المال میں ایک چارپائی پر ایک مردہ کو دیکھا جس کے سر کے قریب اس کا مصحف رکھا ہوا تھا اچھا نہجہ ہم وہ مصحف حضرت عمرؓ کے پاس لائے آپ نے حضرت کعبؓ کو بلایا تو انہوں نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا میں پہلا عرب تھا جس نے قرآن کی طرح اسے پڑھا میں نے ابوالعالیہ سے پوچھا کہ اس میں کیا تھا تو انہوں نے کہا کہ اس میں تم اصحاب نبیؐ کی سیرتیں، حالات، حتیٰ کہ تمہاری بولیاں اور تمہارے بعد کے واقعات بھی درج تھے میں نے پوچھا تم نے اس مردہ کو کیا کیا؟ کہا کہ

صبح کو ہم نے ۱۳ قبریں کھودیں اور رات کے وقت ان میں سے ایک میں انھیں دفن کر دیا اور تمام قبروں کو برابر کر دیا تاکہ لوگوں کو تپہ نہ چل سکے، میں نے پوچھا کہ آپ لوگوں کو کیا ڈر تھا؟ انھوں نے کہا کہ عیسائیوں کو بارش کی ضرورت ہوتی تو اس چار پائی کو بارش نکالتے جس کی وجہ سے بارش ہو جاتی تھی، میں نے پوچھا کہ یہ کون صاحب تھے؟ انھوں نے کہا کہ انھیں دانیال کہا جاتا تھا، میں نے پوچھا کہ ان کا سن وفات کیا ہوگا؟ انھوں نے کہا کہ وہ تقریباً ۳۰ سال پہلے مرے تھے، میں نے کہا کہ ان کے جسم میں کوئی فرق نہیں ہوا تھا؟ انھوں نے کہا نہیں، صرف پیچھے کے چند بال جھڑ گئے تھے، اس لئے کہ انبیاء کا جسد اطہر زمین پر حرام ہے اور پرندے بھی اسے نہیں کھا سکتے، مہاجرین و انصار کے اس عمل سے اسلام کے نشا کا اندازہ ہو سکتا ہے، اسی طرح حضرت ابوالیوب انصاریؓ کا مزار ر قسطنطنیہ میں مشہور ہے، لیکن صحیح معلوم نہیں، ان کے علاوہ بے شمار صحابیوں کی قبریں عالم اسلام کے اطراف و جوانب میں پھیلی ہوئی ہیں، لیکن کسی تابعی سے ثابت نہیں کہ انھوں نے وہاں دعا کی ہو۔

قبر پرستی کے دلائل کا ابطال

بعض لوگ قبر پرستی اور اس کے متعلقات کے سلسلے میں اس سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت معروف کرخیؓ کے مزار کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ تریاق مجرب ہے اور ان سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے بھتیجے کو اپنی قبر کے پاس دعا کی وصیت کی تھی، لیکن ابوعلی خرقی نے ان لوگوں کا واقعہ بیان کیا ہے، انھیں امام احمدؒ نے چھوڑ دیا تھا، وہ ان کی قبر کے پاس آکر دوائیں مانگتے تھے، غالباً اس واقعہ کو مروزی نے بھی لکھا ہے

اور متاخرین نے لکھا ہے کہ مناسک حج میں قبر نبوی کی زیارت کے موقع پر زائر کو دعا بھی مانگنی چاہئے، اور کچھ لوگوں نے لکھا ہے کہ جو آدمی شہر بار قبر مبارک کے پاس درود پڑھے اور دعا مانگے تو وہ قبول ہوگی، اور بعض فقہانے لکھا ہے کہ جب سلام و درود اور ذکر و دعا کی اجازت ہے تو وہاں قرأت قرآن بھی ہو سکتی ہے، اس کے ساتھ بعض لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ فلاں قبر کے پاس دعا مانگی جائے مزارات پر لوگوں کی دعائیں قبول ہوتی بھی دیکھی گئی ہیں حتیٰ کہ بعض مزارات اس سلسلے میں مشہور بھی ہیں، جیسے شیخ ابوالفرج شیرازی مقدسی کی قبر، اور ہم نے بھی متعدد اہل علم اور اصحاب فضل کو دعائیں مانگتے اور وہاں مراقبہ یا اعتکاف کرتے دیکھا ہے، جن میں بعض صاحب کرامت لوگ بھی ہوتے تھے، یہاں تک تو قبوریوں (بقول شیخ الاسلام) کے دلائل تھے، جواب میں شیخ فرماتے ہیں کہ ہم نے اگر اس کی کراہت کا بیان کیا ہے تو اس لئے کہ اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں، نہ قرون ثلاثہ میں اس کا استحباب ثابت ہے، اور بعد کی امت اسلامیہ نے بھی اسے مکروہ ہی سمجھا، اور ویسے بھی امت کا اجماع کسی ایسی بات پر مہموی نہیں سکتا جسے متقدمین اور سلف نے برا سمجھا ہو۔

اور جو کچھ اس کے جواز میں منقول ہوتا ہے وہ کذب پر مشتمل ہوتا ہے، جیسے امام شافعی کی طرف یہ جملہ منسوب ہے کہ جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو میں امام ابو حنیفہ کی قبر کے پاس دعا کرتا ہوں اور وہ قبول ہوتی ہے، لیکن یہ صراحت بے اصل ہے، اس لئے کہ امام شافعی جب بغداد تشریف لے گئے ہیں تو وہاں کوئی معروف قبر نہیں تھی اس کے علاوہ امام شافعی نے حجاز، یمن، شام، اور عراق و مصر میں انبیاء و اصحابہ اور تابعین کی کتنی قبریں دیکھی ہوں گی لیکن کہیں ان سے دعا ثابت نہیں، خود امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں

۱۵۳

صاحبین از فرزند حسن، ابن زیاد وغیرہ کسی سے یہ ثابت نہیں کہ وہ امام صاحب کی قبر پر دعا مانگتے ہوں، اور امام شافعی کا مسلک تعظیم قبور کی کراہت سے متعلق اوپر گزر بھی چکا ہے۔

یا اگر کسی نے ایسا کیا بھی ہو تو اسے اجتہادی غلطی ہی کہیں گے، یا جن لوگوں نے اجازت دی ہوگی انھوں نے ضروری شرائط کے ساتھ ہی دی ہوگی، پھر دعائیں تو مشرکین کی بھی قبول ہوتی تھیں اور ہوتی ہیں، جیسے بلعم بن باعور اور کی دعا قوم موسیٰ کے حق میں قبول ہوئی لیکن وہ خود کافر ہی رہا۔ اور کسی کی دعا قبول ہوئی تو یہ کون کہہ سکتا ہے کہ اسی قبر کی برکت سے قبول ہوئی بلکہ آدمی چند دعائیں مانگتا ہے اس میں ظاہر ہے کہ کوئی شاذ و نادر قبول ہو ہی جائے گی، لیکن اس نادر اتفاق کو تہمید پیش کرنا سفاہت ہی ہے۔

اور پھر ان قبروں سے بڑھ کر تو مخلصین کی دعا قبول ہوتی ہے، لوگ اگر صبح کو یا مسجدوں میں، یا نماز کے بعد یا مسجدوں میں تضرع اور اتہال کے ساتھ دعا مانگیں تو بغیر کسی مانع کے ان کی دعا قبول ہوگی، حضور نے فرمایا ہے:

ما من عبد يدعوا الله بدعوة	جب کوئی بندہ دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ
ليس فيها اثم ولا قطعية رحم	اور قطع رحم نہ ہو تو اللہ اس کے بدلے میں
الا اعطاه الله بها الحدي	تین میں سے ایک بات کرتا ہے، یا تو اس کی
خصال ثلاث: اما ان يجعل الله	دعا سے دینا ہی میں دے دی جاتی ہے یا
له دعوة او يبدل خيره من الخير	آخرت کے لئے اٹھا رکھی جاتی ہے، یا اس
مثلها او يصرف عنه من الشر مثلها	دعا کی مقدار کوئی مصیبت اٹھائی جاتی ہے

قالوا یا رسول اللہ! اذن ننگر، لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! تب تو ہم غیب
 قال: اللہ اکثر دعا مانگنی چاہئے؟ فرمایا اللہ بھی تو خوب دینے
 والا ہے۔

کسی قبوری کی دعا قبول بھی ہوئی تو اس کے نتیجہ میں اس کے توحید میں نقص
 آجاتا، خدا کا تعلق کمزور پڑ جاتا، اور اس کا دل ایمان کی اس اندت و صلاوت سے
 محروم ہو جاتا ہے جسے سابقین اولین محسوس کرتے تھے اور برکت بھی چھین لی جاتی
 ہے، شیخ الاسلامؒ یہاں ایک حکمتِ ایمانی پر مشتمل بات کہہ رہے ہیں کہ تمام شرعی طور پر
 حرام چیزیں جن میں لوگوں کو بظاہر نفع محسوس ہوتا ہے، جیسے نجوم کے حساب....
 قوتِ ارادی کا غلط استعمال جیسے نظر لگانا یا سحر کرنا، حرام دعا مانگنا، غلط صلوات
 تعویذ لکھنا، اور دوسرے غلط طبعیاتی تجربے کرنا وغیرہ، ان سب کا فائدہ ان کے
 نقصان سے بہت کم ہوتا ہے، لیکن اس کے مقابلے میں شرعی طور پر مباح اور مستحب
 طریقے دینی اور دنیوی دونوں مفید ہوتے ہیں جیسے مادی اسباب میں تجارت و
 زراعت، اور معنوی وسائل میں توکل علی اللہ، اور اس کی مدد کا یقین، اس سے دعا
 مانگنا، اور شرعی طور پر متبرک مقامات پر مسنون دعاؤں کا مانگنا۔ نماز و زکوٰۃ ہی کو
 لے لیجئے کہ یہ تمام دینی اور دنیوی منافع کی حامل ہیں، پھر یہ کہ اسباب کو تو تبدیل الاسباب
 ہی جان سکتا ہے ہم کیسے کسی دعا کے بارے میں یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ اس لئے
 قبول ہوئی اسی لئے انبیاء کا یہ طریقہ تھا کہ مخلوق کو وہی باتیں بتاتے تھے جن کا نفع
 یقینی ہوتا تھا، فلاسفہ کی طرح اسباب کا کائنات اور اسرارِ موت و حیات نہیں
 بتاتے تھے، اس لئے ان کا کوئی خاص فائدہ نہیں تھا یا موجب ضرر بن سکتے تھے۔

مشرکین کی دعا کی قبولیت کا سبب بھی ان کا خدا کے لئے اخلاص ہی ہوتا ہے اگرچہ وہ اس کے بدلے میں عذاب بھی بھگتیں گے، جیسا کہ ثعلبہ نے حضورؐ سے کثرت مال کی دعا کی درخواست کی اور حضورؐ کی ممانعت کے باوجود اصرار کرتا رہا جس پر حضورؐ نے دعا فرمائی، اور بالآخر وہی کثرت مال دنیا و آخرت میں اس کی محرومی کا سبب بن گئی، ارشاد ہے:

ان الرجل ليسألني المسألة
فأعطيه أياها فيخرجنيها تباطها
نارا فقالوا يا رسول الله فلم
تعطهم قال يا بون الأنايا
ويا لي بالله لي البخل،
ایسے بھی آدمی ہوتے ہیں کہ مجھے سوال کرتے
ہیں اور میں انہیں دیتا ہوں لیکن وہ سوال
ان کے لئے عذاب نار بن جاتا ہے لوگوں
نے عرض کیا کہ حضورؐ آپ وہ سوال کیوں
پورا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ وہ اصرار کرتے
ہیں اور اللہ تعالیٰ مجھ پر سے بخل کا الزام دو
کرتا ہے او انہیں دے دیتا ہے۔

قرآن مجید میں اسی لئے کہا گیا:
ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ
لَسَّمَّ الْمُتَعَدِّينَ،
اپنے رب سے آہستہ اور عاجزی سے دعا کرو
وہ دعائیں حد سے بڑھنے والوں کو پسند
نہیں کرتا۔ (۵۵:۴)

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ کسی بزرگ کی عبادت و دعا کو مقبول دیکھ کر
اس کی نقل کرنے لگتے ہیں لیکن ان کے حق میں وہ نتائج نہیں نکلتے ہیں، اس لئے کہ
نقل تو صورت کی ہے لیکن حقیقت موجود نہیں۔

بعض شیوخ کو خواب میں دیکھا گیا کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے عتاب میں فرمایا:
یا شیخ السؤانت الذی کنت تتمثل بسعدی ولبنی لولا اعلمناک
صادق لعد بک! (اے پیر فروت تم سعدی و لبنی کے نام پر غزل کہتے تھے اگر
مجھے تمہاری صداقت نہ معلوم ہوتی تو عذاب دیتا۔)

سمنون محب سے نقل ہے کہ میرے دل میں ایک خیال آیا اور میں نے وجہ
کے کنارے جا کر دعا کی کہ تیری عزت کی قسم میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا
جب تک میرے لئے پھلی نہیں نکل آتی۔ چنانچہ ایک بڑی پھلی نکل آئی، لیکن
جب حضرت جنید کو خبر ملی تو آپ نے فرمایا: میں تو چاہتا تھا کہ سانپ نکل کر اسے
ڈس لیتا!۔ اور ہم تک حکایت پہنچی ہے کہ مدینہ کے کسی مجاور نے قبر شریف پر
اگر کسی کھانے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ اس نے ایک ہاشمی فرد کو دیکھا کہ وہ کھانا
لے کر آ رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ یہ حضورؐ نے بھیجا یا ہے۔ مگر یہ بھی فرمایا کہ یہاں سے
نکل جاؤ، اس لئے کہ جو یہاں کا ہوتا ہے وہ ایسی خواہش نہیں کرتا (وقال لك:
اخرج من عندنا فان من یكون عندنا لا یشتمی مثل هذا)۔

دعا کے بارے میں کچھ تصریحات

حرام دعاؤں میں دین و دنیا کے لئے کسی نقصان رساں دعا کا انکنا ہے
جیسے حضورؐ ایک شخص کی عبادت کے لئے تشریف لے گئے تو اس سے پوچھا تم نے
لے یہاں صداقت سے مراد ان بزرگ کا صدق و اخلاص مع اللہ ہو سکتا ہے یا ان کے عشق صادق
کی وجہ سے انہیں مغلوب اکمال سمجھا گیا۔ (مرتب)

کوئی دعا مانگی ہے؟ اس نے کہا میں نے یہ مانگا تھا کہ مجھے جو عذاب آخرت میں ملنا ہے، یہیں مل جائے حضورؐ نے فرمایا تمہیں تو دنیا و آخرت دونوں کے لئے بہتری کی دعا مانگنا تھی۔ جابر بن عقیق کے گھر والوں سے حضورؐ نے فرمایا کہ دعا ہمیشہ بہتر ہی مانگا کرو اس لئے کہ فرشتے اس پر آئین کہتے ہیں۔ بعض بزرگ لوگ بھی غصہ میں اگر کسی کے لئے بد دعا کر بیٹھتے ہیں لیکن اس کا عذاب انہی کو ملے گا۔

کفار اور فاسقین کی دعاؤں کی مقبولیت دراصل ان کے لئے استدراج اور مصلحت ہوتی ہے جس کے بدلے میں وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے، کبھی شیطان کسی بزرگ کی صورت میں آکر کوئی کام کر دیتا ہے جیسا کہ میرے سامنے اس کی مثالیں ہیں کہ وہ کام ہوا، لیکن خود ان بزرگ کو خبر نہیں ہوتی، یہاں تقدیر اور امور شرعیہ کی بحث سامنے آتی ہے کہ بعض امور تقدیری ہیں، لیکن الشرائع پسند نہیں کرتا، اور بعض شرعی طور پر مباح ہوتی ہیں، لیکن بندے کی تقدیر میں نہیں ہوتیں اس لئے ان پر ثواب ملے گا، اور کبھی تقدیر شریعت کے مطابق ہوتی ہے، تب بھی اس کی دعا پر ثواب ملتا ہے، شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ یہ خدا کی رحمت ہے کہ مشرکانہ دعا سے مہمات امور میں کامیابی نہیں حاصل ہوتی بلکہ بعض چھوٹے مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:

قُلْ اُرَاَیْتُمْ اِنْ اَنَّا كُنْهٖ عَذَابُ اللّٰهِ	کہئے کہ تمہارا کیا خیال ہے اگر تم پر اللہ کا عذاب
اَوْ اَنَّا كُنْهٖ السَّاعَةِ اَعْلٰی اللّٰهِ تَدْعُوْنَ	یا قیامت آجائے تو سچ بتاؤ کہ کیا اس وقت
اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ۔ اَلَا یَا لَدُّعُوْ	کسی غیر اللہ کو پکارو گے؟ بلکہ اسی کو پکارو گے
فَلِكُفْرٍ مَّا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَاءَ	تو وہ تمہاری مصیبت دور کر دے گا اگر

وَتَسْؤُنَ مَا تَشْرَكُونَ۔

چاہے گا اور اس وقت تم ان خداؤں کو
بھلا دو گے جن کو شرک خدا کہتے ہو!

(۴۱:۲۰:۶)

دوسری جگہ کہا گیا:

وَلَاذَامْسَلَّمُ الصِّرَافِي الْبَحْرِ مَنَلْ
مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا آيَاهُ فَلَمَّا نَجَّيْكُمْ
إِلَى الْبَرِّ اعْرِضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ
كَفُورًا۔

جب سمندر میں تم پر کوئی آفت آجاتی ہے
تو اس وقت سارے خدا غائب ہو جاتے
ہیں اور صرف ایک خدا باقی رہتا ہے اور
جب وہ تمہیں نجات دے کر خشکی پہنچا دیتا
ہے تو پھر تم سرکش کر لے لگتے ہو انسان ہے
یہی بڑا ناشکرا۔

(۶۷:۱۷)

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَا
وَيَنْشِئُ السَّوْعَاءَ وَيَجْعَلُ الْخُلَفَاءَ
الْأَرْضِ۔ (۶۲:۲۷)

مضطرب و پریشان کی دعا کون سنتا۔
مصیبت دور کرتا، اور تمہیں زمین کی
خلافت دیتا ہے؟

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ
دُونِیَ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ
وَلَا تَحْوِيلًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ
يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ
أَقْرَبُ وَيَبْتَغُونَ رَحْمَتَیَ فَإِنَّ
هَٰذَا بَابُ عَذَابِ رَبِّكَ كَانَ
مُعَدًّا لِلزَّالِمِ۔ (۵۷:۱۷)

کہئے کہ اپنے مزعومہ خداؤں کو بلا دیکھو، وہ
تمہاری مصیبت نہ ہٹا سکتے ہیں نہ بدل سکتے
ہیں، اور کچھ لوگ دعا کرتے اور اپنے رب کا
وسیلہ چاہتے ہیں، ان میں سے کون زیادہ
قرب ہے؟ اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار
اور اس کے عذاب سے خائف ہیں، آپ کے
رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے۔

اَمَّا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ
شُفَعَاءَ قُلُوبًا أَوْ لَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ
شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ قُلْ لِلَّهِ الشُّفَعَاءُ
جَوْشِعًا۔ (۳۹: ۲۳، ۲۴)

کیا انھوں نے خدا کے سوا کچھ اور شفاعت
کا رہنما لئے ہیں؟ کہئے کیا اس صورت میں
بھی انھیں شفیع کہتے رہو گے کہ وہ کچھ بھی
اختیار نہیں رکھتے، اور نہ عقل رکھتے ہیں
کہہ دیجئے کہ شفاعت تو تمام تر خدا کے

ہاتھ میں ہے۔

بعض فلاسفہ اور متصوفہ دعا کو بیکار بتاتے اور کہتے ہیں کہ جس کی دعا مانگی
جا رہی ہے یا تو وہ مقدر ہوگی، اس صورت میں دعا تحصیل حاصل ہے، یا
غیر مقدر ہوگی اس شکل میں دعا فضول ہے، وہ دعا کو تقدیر کی علامت
کہتے ہیں سبب نہیں مانتے حالانکہ دعا ایک مستقل سبب ہے۔

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کے دل میں دعا کی
خواہش ڈالتا اور اس کی دعا کو تقدیر کا سبب بنا دیتا ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ
نے فرمایا: اِنِّیْ لَا اَحْمِلُ هَمَّ الْاِجَابَةِ وَاِنَّمَا اَحْمِلُ هَمَّ الدَّعَاءِ فَاِذَا
اَلْهَمْتُ فَاِنَّ الْاِجَابَةَ مَعَهُ (مجھے قبولیت دعا کی فکر نہیں رہتی بلکہ صرف
دعا کی فکر رہتی ہے، اس لئے کہ جب دعا کی توفیق ہوتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ
قبولیت بھی اس کے ساتھ ہی ہے)

اسی کو مولانا رومؒ کہتے ہیں۔ ع

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو

شیخ فرماتے ہیں کہ اشیاء کا مبداء و معاد خدا ہی کی ذات ہے قصید اکامور

من اللہ وتمامہا علی اللہ۔ ایک حدیث ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضورؐ سے پوچھا:

یا رسول اللہ! رأیت ادویۃ
تند او یبھا ورتیٰ نسترقی
بھا و ترقیٰ تنقیھا: حل ترد من
قدر اللہ شیئا قال: ہی من قدر اللہ
یا رسول اللہ! آپ کا کیا خیال ہے کہ
دوائیں تعویذیں، اور پریز جو ہم کرتے ہیں
کیا یہ تقدیر کو لوٹا سکتے ہیں؟ کہا یہ بھی تو
تقدیر ہی ہیں!

دوسری حدیث میں ہے کہ ان الدعاء والبلاء لیلقیان فی علیان
بلین السماء والارض (دعا اور بلا آسمان و زمین کے درمیان جب ملتی ہیں تو باہم
کش مکش پیدا ہوتی ہے۔)

ہمارا عقیدہ ہے کہ دعا سے طے شدہ تقدیری مقاصد ہی نہیں بلکہ خارق
عادت اور فوق الاسباب باتیں بھی حاصل ہو جاتی ہیں جیسے حضرت علامہ ابن حجرؒ
نے یا علیم یا حلیم یا علی یا عظیم اسقنا کہہ کر دعا مانگی جس کے
نتیجے میں تاریخ میں آتا ہے کہ گرمی کے موسم میں صرف ان کے لشکر تک بارش ہوئی
(فطر وافی یوم شدید الحر لم یجاءوز عسکوہم) اسی طرح سمندر
کو انھوں نے اس طرح پیدل طے کیا کہ ان کے قدم بھی نہیں تر ہوئے۔
(وقال احمنا فمشوا علی النہر الکبیر وشیالہم یبل اسافل اقدارہم)
دعا بہم۔)

ایوب سختیانیؑ نے اپنے ساتھی کے لئے پہاڑ پر ایک ٹھوکرے سے چشمہ جاری
کر دیا جو پھر سیرابی کے بعد بند ہو گیا، دعا کی اہمیت اور اس کی تاثیر اسلام کے

مسلمات میں سے ہے۔ اور علی زندگی میں دعا کے اتنے کھلے ہوئے اثرات اور برکات دیکھنے میں آتے رہتے ہیں کہ ان کا انکار حقیقت کا انکار بن جاتا ہے۔

قبر پر دعا کے چند احکام

قبر پر دعائیت کے لئے تو جائز ہے لیکن کسی اور کے لئے ناروا ہے۔ اور خود صاحب قبر کے لئے بھی روزانہ کی حاضری جس سے بے جا اہمیت کا اظہار ہونا مناسب ہے، قبر نبویؐ کے بارے میں صحابہؓ کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ مسجد نبویؐ میں نماز کے لئے جب داخل ہوتے تو اسی وقت سلام کر لیتے قبر پر نہیں جاتے تھے، کبھی کبھار بلا کسی پابندی کے البتہ حاضری دیدیتے تھے، حضرت ابن عمرؓ کا بھی یہی معمول تھا، جب سلف کا یہ معمول تھا تو یہی ہمارا بھی ہونا چاہئے، امام مالکؒ نے کیا خوب فرمایا تھا کہ اس امت کے عہد اخیر کی اصلاح وہی طریقہ کر سکتا ہے جس نے اس کے اول کو سدھارا تھا (ان یصلحوا اخرہذا کلامہ الاما اصلاح اولہا)

شیخ الاسلامؒ قبر رسولؐ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ حجرہ عائشہؓ میں تھی لیکن بعد کے لوگوں نے حجرہ میں تبدیلی کر دی جس میں ولید بن عبد الملکؓ کا بھی ہاتھ تھا، اس وقت مدینہ کے عامل حضرت عمر بن عبد العزیزؓ تھے جنہوں نے ان اضافوں کو ختم کر کے حجرہ کو پورے طور سے مسجد شریف میں داخل کیا سعید بن المسیبؓ اور متحد اہل علم نے اس تبدیلی کو ناپسند کیا، لیکن بہت سے علماء حکومت کے ساتھ بھی تھے، جہاں تک قبر نبویؐ کو چھونے اور مس کرنے کا

سوال ہے اس کے بارے میں ابو بکر الاثرم کی امام احمد سے روایت ہے کہ انھوں نے اس سے لاعلمی ظاہر کی، انھوں نے منبر شریف کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ ہاں منبر چھو سکتے ہیں، اثرم نے کہا کہ "ابن ابی خدیج عن ابی ذئب عن ابن عمر" کہہ کر لوگ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے منبر پر مسح کیا تھا۔ امام نے فرمایا کہ یہ روایت سعید بن المسیب سے بھی ہے، زمانہ کے بارے میں ہے، میں نے کہا کہ اسے یحییٰ بن سعید سے بھی روایت کرتے ہیں کہ وہ عراق کے سفر کے موقع پر منبر کو مسح اور دعا کرتے ہوئے دیکھے گئے، امام نے فرمایا کہ وہ کسی ضرورت سے ہوگا، امام احمد نے منبر اور زمانہ کو (یعنی منبر کے اس دستے کو جس پر آنحضرت دست مبارک رکھتے تھے) چھونا جائز کہا ہے لیکن قبر شریف کا مسح جائز نہیں کہا ہے، البتہ ایک روایت یہ ہے کہ امام احمد نے بعض افراد کے جنازے کی مشابعت کے بعد ان کی قبر پر ہاتھ رکھ کر دعا کی ہے امام مالک نے قبر شریف کی طرح قبر کو بھی چھونا مکروہ کہا ہے، آج تو جل جانے کے بعد نہ منبر ہے نہ زمانہ اور منبر کی صرف ایک جلی ہوئی لکڑی رہ گئی ہے جسے چھونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اس لئے کہ حضرت ابن عمر سے منبر سے تشریف رکھنے کی جگہ کے چھونے کی روایت ہے نہ کہ مطلق منبر کے مسح کرنے کی، امام مالک اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ قبر شریف کی طرف دعا نہ کرے بلکہ قبلہ رخ ہو کر دعا مانگے، متاخرین میں ابو الوفا بن عقیل اور ابن جوزی کی بھی یہی رائے ہے۔

اور جہاں تک مجھے معلوم ہے کسی صحابی تابعی یا مشہور امام سے قبروں پر

۱۶۳

دعا کے قصد سے جانے کی اجازت ثابت نہیں، تیسری صدی کے بعد اہل بدعت کی کتابوں میں ایسی چیزیں ملنے لگیں، سلف سے صرف ایک رخصت کا پتہ ابن ابی الدنیا کی کتاب القبور میں ابن ابی فدیک کی روایت سے چلتا ہے، جس میں ہے کہ حضور نے فرمایا:

مَنْ زَارَنِي بِالْمَدِينَةِ مُحْتَسِبًا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا وَشَهِيدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ
جس نے مدینہ آکر ثواب کی نیت سے میری قبر
کی زیارت کا تو قیامت میں اس کے لئے
میں شفیع اور گواہ بنوں گا۔

ابن ابی فدیک کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ جس نے قبر شریف پر
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتُهُ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّؐ کی تلاوت کی اور ستر بار صلی اللہ
علیہ یا محمدؐ کہا تو فرشتہ اس پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کی ہر حاجت
پوری ہوتی ہے، لیکن یہ روایت متعدد وجوہ سے قابل اعتنا نہیں۔

(۱) ابن ابی فدیک نے یہ روایت مجہول شخص سے کی ہے، اور وہ خود دوسری
صدی کے اواخر کے آدمی تھے اور تبع تابعین میں بھی نہ تھے، اور صحیح حدیث
میں تو یہ ہے کہ ”مَنْ صَلَّى عَلَیْهِ مَرَّةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْرًا“ (جو حضور پر
ایک بار درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت کرتے ہیں۔ اور
اس میں ہے کہ ستر بار کے بعد ایک فرشتہ جواب دیتا ہے۔

(۲) اس میں دعا کی نیت سے حاضری کا ذکر ہے، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ حاضری
کے ضمن میں دعا کی بھی گنجائش ہے۔

(۳) مزار نبوی پر دعا کی مقبولیت کثرت درود کے ساتھ مشروط ہے،

ہیسا کہ حضرت عمرؓ سے اثر منقول ہے کہ الدعاء موقوف بین السماء والارض حتی تصلی علی نبیک (دعا آنحضرتؐ پر درود پڑھنے تک موقوف رہتی ہے۔ ترمذی)

محمد بن حسن بن زبالہ نے اخبار المدینہ میں لکھا ہے کہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص کو جمعہ کے دن برابر عصر سے مغرب تک صلوٰۃ و سلام پڑھتے دیکھا گیا (یہ محمد بن حسن واقفی کی طرح ضعیف ہیں، لیکن تھوڑا بہت ان کی روایات کا اعتبار بھی ہے)

لیکن اسی میں ہے کہ ربیعہ بن عبد الرحمن کی مجلس کے لوگوں نے اسے تعجب کی نگاہ سے دیکھا تھا ابن وردان سے روایت ہے کہ انس بن امام مالکؓ سلام کے بعد قبر شریف کی دیوار پر بیٹھ ٹیک کر دعا کرتے تھے۔

اس باب میں ان روایات سے یہاں بحث نہیں جن میں آنحضرتؐ پر سلام کا جواب سنا گیا ہے یا یہ کہ سعید بن المسیب واقعہ حرہ کی راتوں میں قبر شریف سے آتی ہوئی اذان کو سنی تھی۔ یہ سب صحیح ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے، وکلاہم راجل من ذالک واعظم۔

بعض افراد کے سوال پورے بھی کئے گئے ہیں لیکن یہ مناسب نہیں اس لئے کہ عدم اجابت کے وقت ایمان میں فتور آنے کا اندیشہ بھی کمزور لوگوں کے حق میں قائم ہے اسی طرح انبیاء و صالحین کے مزارات کی برکات میں انوار اور ملائکہ کا نزول، شیاطین اور بہائم کا ان سے بچنا، آگ کا نہ لگنا، اور اپنے پڑوس کے لوگوں کی سفارش ان کے قریب دفن ہونے کا استحباب اور انس و سکینہ کا حصول بے ادبی

کرنے والوں پر عذاب کا نزول، یہ سب حق ہے لیکن اس سے یہاں بحث نہیں۔
(۴۷) ایسی جگہوں پر دعا کی مقبولیت کا عقیدہ اس عدول حکمی تک پہنچائے گا کہ
مزارات، جید گاہ بن جائیں گے۔

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ کسی قبر پر پابندی سے تلاوت قرآن اور ذکر و دعوت
ہے اس لئے کہ یہ قبر کی بے جا اہمیت کی طرف یجاتے ہیں۔ پھر میت کو ثواب
پہنچنے کے بارے میں دو مسلک ہیں۔

ایک یہ کہ عبادات بدنیہ (صلوٰۃ و قراۃ) کا ثواب میت کو ملتا ہے، جیسا کہ
عبادات مالیہ کا ثواب بالاجماع اسے ملتا ہے، یہ امام احمد اور امام ابو حنیفہؒ کا
مسلک ہے اور امام شافعیؒ و امام مالکؒ کے بعض اصحاب کا بھی اور یہی صحیح بھی ہے،
دوسرا یہ کہ عبادات بدنیہ کا ثواب اسے کسی حال میں نہیں ملتا، یہی امام شافعیؒ
و امام مالکؒ کے اصحاب کا مشہور مذہب ہے، بہر حال میت کا قرآن اور دوسری
آوازیں سننا تو حق ہے، لیکن مرنے کے بعد کے عمل پر اسے کوئی ثواب نہیں ملتا ہے،
لیکن مردہ اپنے قریب کئے جانے والے معاصی سے پریشان ضرور ہوتا ہے، قبر پر
تلاوت کے باب میں امام احمدؒ سے تین روایات ہیں:

(۱) یہ کہ اس میں کوئی حرج نہیں، یہی خلا ل اور اکثر متاخرین خنابلہ کا مذہب
ہے، بلکہ اسی کو امام احمد کا آخری قول بھی کہا گیا ہے، اور یہی احناف کی ایک جماعت
کا کہنا ہے، اس بارے میں معتمد علیہ قول ابن عمرؓ کا ہے کہ انھوں نے اپنی قبر پر تلاوت
کی وصیت کی تھی کہ دفن کے وقت سورۃ البقرہ کی شروع اور آخر کی آیتیں پڑھی
جائیں، بعض مہاجرین سے اس کا پڑھنا ثابت بھی ہے۔

(۲) یہ کہ مروہ ہے حتیٰ کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ میں بھی اختلاف ہے اگر اہل بیت کی روایت امام احمد کے اہل اصحاب: عبد الوہاب، الوراق، ابو بکر المروزی، جہور سلف: جلیسے امام ابو حنیفہ، امام مالک، ہشیم بن بشیر وغیرہ سے ہے اس باب میں امام شافعی کا کوئی قول منقول نہیں، اس لئے کہ یہ ان کے نزدیک بدعت ہے، امام مالک کہتے ہیں کہ میں کسی کو بھی نہیں جانتا جو ایسا کرتا ہو۔

(۳) یہ کہ دفن کے وقت ان کے ہاں تلاوت میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ ابن عمرؓ کی روایت نقل ہوئی لیکن قرأت کے لئے مستقل آنا سلف سے ثابت نہیں۔ اسی طرح قبروں پر ذبیحہ بھی منع ہے رسول اللہؐ نے فرمایا: لا حق فی الاسلام (اسلام میں ایسا ذبیحہ نہیں)۔ احمد و ابو داؤد اسی طرح قبروں پر اعتکاف اور ان پر مجاور بن جانا ان کی خدمت اختیار کرنا ان پر پڑے اور چادریں چڑھانا اور لٹکانا یہ سب بدعت ہیں اخیر میں شیخ قرطانی ہیں جو خیر کی طلب رکھتا ہے، وہ دیا جاتا ہے اور جو شر سے بچنا چاہتا ہے بچایا جاتا ہے، خانہ من یتیمی الخیر یعطہ ومن یتوقی الشر یوقہ۔

مقامات مقدسہ کا حکم

علماء کے ایک قہنہ میں ان مقامات میں عبادت کو ممنوع اور مکروہ کہا گیا ہے اور دوسرے قول میں ابن عمرؓ کے اس فعل سے دلیل لیکر اسے جائز کہا گیا ہے کہ وہ آنحضرتؐ کی اتفاقی عبادت کی جگہوں کو کبھی ڈھونڈ کر وہاں عبادت کرتے تھے، انہ کان یتجری قصد اطواضع التی سلکھا النبی صلی اللہ

علیہ وسلم۔

سندی الخواتمی امام احمد سے حضرت ابن ام مکتومؓ کی روایت سے جو ازکی روایت کرتے ہیں، امام بخاریؒ موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرتے ہیں کہ سالم بن عبد اللہ کو بھی حضرت ابن عمرؓ کے مقام عبادت کو تلاش کرنے دیکھا جاتا تھا یہی روایت نافعؓ سے بھی ہے جن لوگوں نے اسے مکروہ سمجھا ہے ان کی دلیل سعید بن منصور کی سنن کی وہ روایت ہے جس میں حضرت عمرؓ نے لوگوں کو راستے کی ایک مسجد کی طرف پکارتے دیکھ کر روکا تھا حالانکہ اس میں حضورؐ نے نماز پڑھی تھی، آپ نے فرمایا:

هَكَذَا أَهْلُ الْكِتَابِ قَبْلَكُمْ: اتَّخَذُوا
اتَّارِ انْبِيَانِهِمْ بَيْعًا مِنْ عَرَضَتْ لَهُ
مَنْكُمُ الصَّلَاةُ فِيهِ فَلْيَصِلُوا مِنْ
لَمْ تَعْرِضْ لَهُ الصَّلَاةُ فَلْيَمُضْ۔
تم سے پہلے اہل کتاب یہی طرح ہلاک ہوئے
تھے کہ انھوں نے اپنے انبیاء کے آثار
کو عبادت گاہ بنالیا۔ جسے نماز واقعی
پڑھنا ہو وہ پڑھے ورنہ چلتا رہے۔

محمد بن وضاح جو شجرة الرضوان کے کٹنے کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ امام الکلیؒ
اور دوسرے علمائے مدینہ آثار مدینہ میں سوا قبا اور احد کے پابندی سے حاضری
مکروہ سمجھتے تھے، حضرت سفیان ثوریؒ بیت المقدس گئے تو صرف نماز پڑھ کے
چلے آئے۔ آثار کی زیارت نہیں کی ابن عمرؓ کا فعل ذاتی اجتہاد پر مبنی تھا اسی لئے
خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہؓ کو ہم ایسا کرتے نہیں دیکھتے۔

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ جمہور صحابہؓ کے طرز عمل پر عمل کرنا کسی ایک صحابیؓ
کی روایت پر عمل کرنے سے بہتر ہے، لیکن متاخرین علماء اور بعض ضالہ نے بھی

آنحضرت کے اتفاقی مقامات درود و عبادت کی زیارت کو بھی بہتر سمجھا ہے، جیسا کہ صحیحین میں عقبان بن مالکؓ سے روایت ہے کہ وہ جب معذور ہو گئے تو ان کی خواہش پر حضورؐ نے ان کے گھر جا کر نماز ادا کی جسے انھوں نے اسے اپنی مسجد کے لئے متعین کر دیا بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں جہاں عبادت سنت ہوتی ہے جیسے صحیحین میں یزید بن ابی عبید کی روایت ہے کہ سلمہ بن اناکورؓ کو اسطوانہ کے پاس اکثر نماز پڑھتے دیکھا گیا اس لئے کہ حضورؐ وہاں نماز ادا فرماتے تھے، شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب نظیریں، حضرت ابن عمرؓ کی ہوں یا عقبانؓ کی انفرادی اور شخصی حیثیت رکھتی ہیں، جمہور صحابہؓ اور خصوصاً خلفائے راشدین کا طرز عمل اس کے برعکس ہے۔

اس سلسلے میں یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ آنحضورؐ سے کسی مخصوص قبر کی زیارت اور اس کی روایت ثابت نہیں اور مستند مجموعہ احادیث میں ایک صحیح روایت بھی اس بارے میں نہیں ملتی، اور جو دارقطنی کی روایت ہے وہ بھی باتفاق اہل علم ضعیف ہے، بلکہ خود قبر شریف کی زیارت کے متعلق احادیث بھی کذب افزا ہیں، جیسے یہ روایات:

(۱) من زارنی و زار ابی ابراہیم علیہ السلام فی عام ولحد ضمنت لہ علی اللہ الجنۃ۔ جس نے میری اور میرے جد امجد ابراہیم کی ایک ہی سال میں زیارت کی تو میں خدا کے پاس اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

(۲) ومن زارنی بعد مماتی فکا غا زارنی فی حیاتی۔ جس نے میری زیارت میرے بعد کی اس نے گویا زندگی ہی میں زیارت کی۔

(۳) ومن حج ولم یزرنی جس نے حج کیا لیکن میری زیارت کو نہ آیا تو

فقد جفائی۔

اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

بس ایک روایت میں اتنا ہے کہ آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت ملی تھی، اس کے بعد آپ نے تذکیر و تذکرہ کے لئے عام طور پر بھی زیارت قبور کی اجازت دی تھی، لیکن یہ رخصت چونکہ مانعت کے بعد تھی اس لئے عبرت و وعظمت کی ضرورت ہی تک محدود رہے گی، اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی، اس لئے کہ بقدر الضرورات تبیح المحذورات“ (اجازت ضرورت کی حد تک ہوتی ہے)۔

سحر و طلسمات کی بدعتیں

سحر تو اسلام میں بالکل حرام ہے اگرچہ بعض لوگوں نے صرف علم کی حد تک اس کی اجازت دی ہے، شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ تو صراحتہ سورج اور چاند تاروں سے عبادت کی حد تک عقیدت رکھتے ہیں اور ان کے نام سے طرہ طرہ کی دعائیں اور تعویذات لکھتے ہیں، ان کے مناسب لباس اور انگشتریاں پہنتے ہیں اور ان کی رعایت سے مبارک اور مناسب اوقات کا یقین کرتے اور سعد و نحس کا حال بتاتے ہیں، یہ سب عمل خالص مشرکانہ عمل ہیں، اس کا رواج اس حد تک ہوا کہ علمائے اسلام بھی تصنیف کی حد تک اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے اور ایک مشہور عالم نے ”السؤال المکتوم فی السحر و غلطیۃ الجنوم“ لکھ ڈالی۔

لے اس سے امام فخر الدین رازیؒ کی طرف اشارہ ہے، ان کی یہ کتاب دارالکتب المصریہ (مکتبہ تیموریہ) میں موجود ہے، لیکن امام رازیؒ سے حسن ظن رکھتے ہوئے کتاب کے دیکھے بغیر کوئی قطعی فیصلہ کرنا ہمارے لئے دشوار ہے۔ (مرتب)

اور دوسرے لکھنے والوں میں عظیم ہندی، ملکو شاہ بابلی، ابن وحشیہ، ابو عشر بلخی، اور ثابت بن قرہ کے نام آتے ہیں، یہ لوگ سحر و طلسم کی وجہ سے شرک کی حد میں داخل ہو گئے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ
 الْكِتَابَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْحِجْبِ وَالطَّافُوْتِ
 وَنَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمُوْا
 اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا
 اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ
 يَلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ يَجْعَلَ لَهٗ نَصِيْرًا
 (۲/۱۵۱-۱۵۲)

(D.F. 10: 17)

کرتا ہے، اس کا آپ کوئی مددگار نہیں

سکتے

”جنت“ کو سعادت نے سحر اور طاغوت کو اوثان کہا ہے اور بعض لوگ اسے شیطان بھی کہتے ہیں۔

۱۵۔ سحر کا علم شرک نہیں بلکہ اس پر عمل و عقیدہ شرک ہے اگر کوئی سحر کے ابطال کے لئے سحر کو سیکھے تو اس میں کیا حرج ہے؟ اسی طرح نجوم اور فلکیات (ASTRONOMY) پر کتابیں لکھنا اور فلکیاتی مسائل پر کام کرنا شرک اور سحر میں کیسے داخل ہو سکتا ہے؟ اس لئے یہ کہا جائے گا کہ شیخ الاسلام کی مراد دوسری ہے یا وہ سحر کو بہت عام معنوں میں استعمال کر رہے ہیں۔ (مرتب)

غیر اللہ کی قسم کھانا

غیر اللہ کی قسم حرام اور بدعت ہے اور ائمہ کا اتفاق ہے کہ قسم واقع نہیں ہوتی، اور یہ اس لئے کہ خدا کے آگے کسی بھی مخلوق کی خواہ وہ نبی یا ولی ہی کیوں نہ ہو کوئی ہستی نہیں۔ قسم اور دعاؤں میں صرف خدا کے اسماء و صفات ہی کا نام لیا جاسکتا ہے، جیسا کہ بائبل اور مسنون دعاؤں میں ہے، ”اللہم انی اسألك بان لك الحمد انت احدث الجنان المنان، بدیع السموات والارض، یا ذا الجلال والاكرام“ دوسری حدیث میں ہے، ”اللہم انی اسألك بانك انت احدث الاحد احمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یكن له كفوا احد“ ایک اور حدیث میں ہے، ”اسألك بكل اسم هو لك سمیت به نفسك او انزلته فی كتابك او علمته احدا من خلقك، او استأثرت به فی علم الغیب عندك“ اسی قسم کی دعائیں مشروع اور جائز ہیں، ”اسألك بمعافاة العزمین عرشك“ (آپ کے عرش کی معزز نشیمنگاہوں کے طفیل مانگتا ہوں) کو کچھ لوگوں نے جائز کہا ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ نے کہہ دیا ہے، ابوالحسن قدوریؒ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

قال بشر بن الولید سمعت ابی یوسف	بشر بن ولید کہتے ہیں کہ میں نے امام
قال قال ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ	ابو یوسف سے سنا کہ امام اعظم فرماتے تھے
لا ینبغی لاحد ان یدعو اللہ	کہ کسی کو خدا کے سوا کسی اور کے واسطے سے

الابہ واکرہ ان یقول بمعاقد العز
من عرشک، او بمحق خلقک وهو
قول لابی یوسف قال ابویوسف
بمعتقد العز من عرشہ هو احدہ
فلا اکرہ ہذا واکرہ بمحق فلان
او بمحق انبیاءک ورسلك و بمحق
البیت و المشعر الحرام بہذا الحق بکرہ
دعا مانا سنی ہے، اور معاقد العز کے
واسطے سے کنا اور مخلوق کے حوالے سے
دعا ماننا بھی مکروہ ہے، یہی امام ابو یوسفؒ
کا بھی قول ہے، لیکن وہ فرماتے ہیں کہ اگر
”معاقد“ سے خدا ہی مراد ہے تو یہ مکروہ
نہیں ہے، اس کے ساتھ ہی انبیاء اور رسول
بیت الشریعہ، یا مشعر حرام کے واسطے سے
دعا کرنا بھی مکروہ ہے۔

امام ابو یوسف کی دلیل وہ اثر ہے جس میں ہے کہ:

اسألك بمعاقد العز من عرشك
ومنہی الرحمة من کتابك وباسمك
الاعظم، وجدك الاعلیٰ وکلماتك
التامة؟
آپ سے عرش کی معزز گریسیوں، کتاب
کے غنما سے رحمت، اسم اعظم، آپ کے
بلند مرتبہ اور آپ کے مکمل کلمات کے
واسطے سے سوال کرتا ہوں؟

لیکن یہ اثر بھی نزاعی ہے، اسی طرح حضرت ابوسعیدؓ کی ابن ماجہ والی روایت
میں بھی کلام کیا گیا ہے جس میں ہے کہ:

اللہم انی اسألك بمحق السائلین
علیک و بمحق عیشائی ہذا، فانی
لم اخرج أشراً ولا بطراً ولا ریاةً
ولا سمعةً، خرجت اتقاء سخطک
اے اللہ میں آپ کے سائلین کے اور اپنی
اس رفتار کے واسطے سے دعا کرتا ہوں
میں اگر کسی کے ساتھ فخر اور دیاہ و شہرت کا
طالب ہو کر نہیں نکلا ہوں میں تو آپ کے

۱۷۳

وَابْتَغَاءَ مَرْضَاتِكَ اَسْأَلُكَ اَنْ
تَقْذِلَنِي مِنَ النَّارِ وَاَنْ تَغْفِرَ لِي۔
غضب سے بچنے اور آپ کی رضا طلب
کرنے کے لئے نکلا ہوں میں آپ سے سوال
کرتا ہوں کہ مجھے آگ سے بچالیں اور میری
معفرت کیجئے

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ
وَلَا رَحْمَہَ (۱:۴)
اس خدا سے ڈرو جس سے اس کے اور شتوں
کے واسطے سے سوال کرتے ہو۔

حزہ کی قرأت میں "ارحام" پر اگر زیر پڑھا جائے تو یہ معنی ہوتے ہیں،
اس لئے بعض لوگوں نے اسے جائز کہا ہے، اور نحو یوں کا یہ کہنا کہ ضمیر مجرور پر
عطف بلا اعادہ جار کے نہیں ہوتا غلط ہے، اس لئے کہ عربی نظم و نشر میں اس کے
برخلاف بھی مثالیں ملتی ہیں، جیسا کہ سیبویہ نے نقل کیا ہے کہ مَا فِيهَا غَيْرُهَا
وَفَرَسٌ

اسی طرح "حدیث اعمیٰ" سے بھی توسل کا ایک گونہ جواز بظاہر نکلتا ہے
جس میں ہے کہ:

جاء الى النبي صلى الله عليه وسلم
فسأله ان يدعوا لله ان يروى
فأمره ان يتوضأ فيصلي ركعتين
ایک اعمیٰ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور
اللہ تعالیٰ سے اپنی بیانی کے لئے دعا کی
فرمائش کی آپ نے وضو اور دو رکعتوں کا

لے ماجز را تم کے خیال میں غیر اللہ کے واسطے سے دعا کی حرمت یا کراہت اگر کلیہ ہے تو
اسے ایک استثنائی صورت بھی تو مانا جاسکتا ہے جبکہ خود اللہ تعالیٰ ہی اس کی اجازت دے رہے
ہیں، واللہ اعلم بالصواب، (مرتب)

وَيَقُولُ اللَّهُمَّ اِنِّى اَسْأَلُكَ وَالتَّوَجُّعَ
 اِيْلَيْكَ نَبِيْلَكَ مُحَمَّدٌ نَبِىِّ الرَّحْمَةِ
 يَا مُحَمَّدُ يَا نَبِىَّ اَدُلُّهُ اِلَى التَّوَجُّعِ
 بِكَ اِلَى رَبِّىْ فِى حَاجَتِى لِنَقْضِهَا
 اللَّهُمَّ فَتَشْفَعْ لِّىْ، وَدَعَا اَدُلُّهُ
 فَرَدَّ اَدُلُّهُ عَلَيْهِ بَصْرَهُ
 (نسائی و ترمذی)

حکم دیا اور یہ دعا بتائی، کہ اس طرح کہے۔
 اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور
 آپ کے نبی، نبی الرحمتہ محمد کے ساتھ میں
 آپ کی طرف متوجہ ہوں اور اے مجھے اللہ
 کے نبی میں آپ کو نیکر اپنے رب کی طرف اپنی
 حاجت کے لئے متوجہ ہونا ہوں کہ آپ میری
 حاجت یوری کر اویں، اے اللہ انھیں میرے
 حق پر سفارش بھیجے تاکہ اس نے دعا کی
 اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مینائی بحال کر دے

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر مومن بندوں کا
 حق رکھا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

”وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ“ (۳: ۷۴) (ہم پر مومنین کی مدد کا حق
 ہے) اِیَّاكَ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (۶: ۵۴) (تمہارے رب نے اپنے اوپر
 رحمت کو ضروری ٹھہرایا ہے) اور صحیحین میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت معاذؓ سے
 فرمایا کہ معاذ! جانتے ہو کہ خدا کا بندوں پر کیا حق ہے؟ انھوں نے کہا اللہ اور
 اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا کہ اس کا حق ان پر یہ ہے کہ اس کی عبادت
 کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں، اور بندوں کا حق خدا پر جانتے ہو کیا ہے؟
 انھوں نے کہا خدا اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا کہ ان کا حق یہ ہے کہ
 وہ انھیں عذاب نہ دے، خدا پر اپنے اوپر کچھ واجب کرنے کے بارے میں

اختلاف ہے لیکن مخلوق کی طرح قیاس کرنا قدریہ کا عقیدہ ہے یعنی یہ بندوں کی طرف سے کوئی حق خدا پر واجب ہوتا ہے یا کوئی ممنوع ہوتا ہے ایسا کہنا اہلسنت کے عقائد کے خلاف ہے۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ بعض حقوق کی تصریح کتاب و سنت میں موجود ہے انھیں پیش نظر رکھ کر ہی دعا مانگی جاسکتی ہے جیسے حدیث میں تین آدمیوں کے اعمال صالحہ کے واسطے سے دعا کرنے کی حکایت آئی ہے جو دفعۃً ایک غار میں بند ہو گئے تھے۔

اس کے ساتھ یہ نکتہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ کبھی شرکین کا اخلاص بھی دعا کی قبولیت کا سبب بن جاتا ہے اس لئے کہ خود قرآن میں اس کی تصریح ہے لیکن اجابت و عارضائے الہی کی دلیل نہیں ہوتی، روایات میں آتا ہے کہ نصاریٰ نے کسی اسلامی شہر کے محاصرے کے وقت اللہ تعالیٰ سے پانی کی دعا کی جو قبول ہوئی اس پر عامۃ المسلمین میں بڑی کھلبلی مچی، اس موقع پر ایک بزرگ نے ایک اجتماع کیا جس میں فرمایا کہ اے اللہ تو نے ان نصاریٰ کے رزق کا بھی ذمہ لیا ہے، اس لئے کہ تو نے ہر مخلوق کا ذمہ لیا ہے، اسی وجہ تو نے ان کی دعا قبول کی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تو انھیں یا ان کے دین کو پسند کرتا ہے اب کوئی ایسی نشانی بھی نازل فرما کہ تیرے بندوں کا ایمان سلامت رہے چنانچہ یہ غلصانہ دعا بھی قبول ہوئی اور ایک ایسی ہوا چلی کہ تمام نصاریٰ کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۔ حضرت تھانویؒ کے جدید ملفوظات میں اس قسم کا ایک دافنہ نظر سے گزرا کہ جنگ (باقی)

اعمال صالحہ سے توسل کا ایک واقعہ حضرت فضیل بن عیاضؒ سے نقل ہے کہ انھیں عمر البول کی شکایت ہوئی تو انھوں نے دعا کی: ”مجھبی ایالہ الاما فوجت عنی“ (آپ سے میری محبت کا واسطہ ہے کہ آپ میری تکلیف دور فرمائیں)، چنانچہ آپ شفا یاب ہوئے، ایسی ہی ایک مہاجرہ عورت نے اپنے مردہ بیٹے کے لئے دعا کی کہ ”اللھم انی امنت بک و برسلک و ہاجرک فی سبیلک“ (اے اللہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی اور تیرے راستہ میں ہجرت کی) اس پر اس کا بیٹا زندہ ہو گیا، لیکن اس اللہ بحق السائلین“ والی حدیث کو عطیہ عوفی نے روایت کی ہے، جو ضعف سے خالی نہیں، اگر صحیح بھی ہو تو اسی باب سے ہوگی۔

دعا اور استعاذہ کی ایک فلسفیانہ بحث

آنحضرتؐ نے ایک موقع پر اس طرح دعا مانگی تھی:

احوذ برضاک من مغلطک و	میں آپ کے رضا کے واسطے سے آپ کے
معافاتک من عقوبتک واعوذک	عذاب سے اور آپ کے عفو کے طفیل آپ کی
منک لا احصى ثناء علیک امنت	مزا سے اور آپ کے پناہ طلب کرتا ہوں بلکہ آپ کا
لما اثبت علی نفسک۔	تعریف نہیں کر سکتا آپ تو ایسے ہی ہیں جیسا کہ

اپنی تعریف کا ہے۔

(باقی صفحہ) روس و روم میں لوگوں نے ترکوں کی فتح کے لئے حضرت مولانا گنج مراد آبادی سے دعا کا درخواست کی تو حضرت نے فرمایا کہ کیا روسی خدا کے بندے نہیں؟۔

مخلوق سے استفادہ ائمہ کے ہاں جائز نہیں اس لئے یہاں سے لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ کلام اللہ اور دوسری صفات مخلوق نہیں اور دوسری حدیث میں بھی آیا ہے کہ حضورؐ فرماتے تھے "اعوذ بکلمات احدثک التامات من شر ما خلق" جمہور اہل سنت عفو باری کو وہ فعل مانتے ہیں، ہر ذات باری کے ساتھ قائم ہے اور ظاہر ہے کہ خدا کا کوئی فعل و عمل مخلوق نہیں، یہی امام احمد و مالک اور امام شافعی و امام ابو حنیفہ کے اصحاب کا قول ہے، عام اصحاب حدیث صوفیہ، اور فلسفہ و کلام کے بہت سے علماء کا بھی یہی مسلک ہے، اسی سے محقرہ اوہمیہ کا جواب بھی ہو جاتا ہے۔ محدثین، عام متکلمین جو صفات کے قائل ہیں، جیسے کلابیہ، اشعریہ، کرامیہ وغیرہ کا استدلال یہ ہے کہ کلام اللہ اس لئے غیر مخلوق ہے کہ صفت جب کسی محل و مقام سے قائم ہوتی ہے تو اس کا حکم محل ہی کا ہوتا ہے، الگ نہیں ہوتا، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کسی محل کے لئے علم و قدرت یا حرکت پیدا کر دیں تو خدا ہی عالم و قادر اور متحرک ہے لیکن اس محل کی وجہ سے عالم و قادر اور متحرک نہیں، (یعنی ذات الہی سے کسی صفت کا ظہور ذات کے دائرے میں ہو تو وہ مخلوق نہیں) لیکن اگر غیر ذات میں کوئی صفت پیدا ہوئی تو وہ محل موصوف مخلوق ہے، جیسے شجر سوئی میں کلام نازل کر دیا گیا تھا تو وہی تصف بالکلام تھا اور اسی نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ "انہی انا اللہ" (نعوذ باللہ)۔

ان لوگوں کا کہنا مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جہاں پتھر بولیں یا ہاتھ سے آواز آئے یا کنکریاں کلمہ پڑھیں یا کائنات میں جو کچھ ہو وہ سب

خدا ہوا اس کے قابل جہمیہ، علویہ اور اتحادیہ جیسے گمراہ فرقے ہیں۔ اس لئے صحیح یہی ہے کہ افعال و صفات تو خدا ہی کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، لیکن صفات کا اثر جن پر پڑتا ہے وہ مخلوق ہیں، اس کے ساتھ ہی اہل سنت کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ صفات ذات سے الگ نہیں نہ وہ ذات پر کسی الگ اضافہ کی نوعیت رکھتے ہیں اسی لئے امام احمدؒ نے جہمیہ سے اپنے مناظرے میں ایک بار فرمایا تھا کہ:

لَا نَقُولُ اِلَهًا وَعِلْمُهُ وَادَّاهُ وَقُدْرَتُهُ
وَاللَّهُ وَلَوْ كُنَّا وَلَكِنْ نَقُولُ اِلَهًا
بِعِلْمِهِ وَقُدْرَتِهِ وَلَوْ كُنَّا هُوَالَهُ
ہم اس طرح نہیں کہتے کہ اللہ اور اس کا علم، اللہ اور اس کی قدرت، اللہ اور اس کا نور بلکہ یوں کہتے ہیں کہ اللہ اپنے علم، قدرت، اور نور کے ساتھ ایک اللہ ہے۔

حکمرحی کا واسطہ دے کر کچھ مانگنا تو سہل اور قسم بغیر اللہ کی تعریف میں نہیں آتا بلکہ وہ تو اکتسابی اسباب میں سے ایک ظاہری سبب ہے، جیسے انبیاء کی دعا، ان کے احکام کی اطاعت، اور ان پر درود کے ذریعہ دعا کی جاتی ہے، اسی باب میں عبد اللہ بن جعفر کی روایت آتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ویسے جب حضرت علیؑ مجھے کچھ نہیں دیتے تھے، تو میں جعفر کا واسطہ دیتا جس پر وہ میرا سوال پورا کرتے یہ صلہ رحمی تھی نہ کہ توسل، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

”ان من اللہ ان یصل الرجل اهل ووجہ ابیہ بعد ان یوصلی، (آدمی کو چاہئے کہ باپ کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ بھی سلوک کرے)۔

دوسری جگہ فرمایا:

ان من یرحمہما بعد موتہما الدعاء
لہما، والاستغفار لہما وانفاذ
عہدہما من بعد موتہما، وصلة
رحمۃ اللہ الیہما والرحمۃ لہما
والدین کا حق ہے کہ ان کے مرنے کے بعد
ان کے لئے دعا، استغفار کیا جائے، اور ان
کے عہد کو نباہا جائے۔ اور ان کے متعلقین
کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے۔

توسل کے باب میں شیخ الاسلامؒ کی یہ عبارت بہت صریح ہے جس سے
ان کے مسلک پر روشنی پڑتی ہے:

فالتوسل بالانبياء والصالحين
يكون بامرين: اما بطاعتهم و
اتباعهم، واما بدعائهم وشفاعتهم
اما مجرد دعاء الیہی وتوسلہ
بہم من غیر طاعة منہ لہم
ولا شفاعة منہم لہ فلا ینفع
وان عظم جالہ احدہم عند
اللہ تعالیٰ۔

انبیاء اور صالحین سے توسل کی دو شکلیں
ہیں، ایک یہ کہ ان کی اطاعت و اتباع
کا سہارا لیا جائے، دوسرے یہ کہ ان کی
دعا اور شفاعت کام آئے، لیکن صرف
دعا کرنا اور بغیر عمل کے توسل چاہنا اور
ان کی شفاعت کے بغیر کوئی کام نکل
جانا ممکن نہیں، اگرچہ کسی نبی و ولی کا
عند اللہ کیسا ہی مرتبہ کیوں نہ ہو۔

مقامات مقدسہ پر مزید روشنی

حضرت ابن عمرؓ کے طرز عمل کی توجیہ میں شیخ الاسلامؒ نے فرمایا ہے کہ
وہ ان مقامات کے لحاظ سے اتباع سنت کے اعمال نہیں انجام دیتے تھے

ان کا مقصد تو اتباع سنت تھا، نہ کہ وہ مقامات۔

پھر اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر ایسے مقامات راہ میں ہیں، تو وہاں زیارت و دعا کی جاسکتی ہے، لیکن اس کے لئے باقاعدہ سفر جائز نہیں، جیسے کوئی غار چرا، غار ثور، کوہ طور، جبل قاسیون، جبل الفتح پر جا کر دعا اور عبادت کرے تو یہ مستحسن نہیں۔

جبل حرا کی بھی کوئی خصوصیت نہیں، اس لئے کہ بعثت سے پہلے جاہلیت میں بھی قریش وہاں جاتے اور عبادت کرتے تھے حضرت ابوطالب کا مصرع ہے۔ ع۔

وراق لیوقی فی حراۃ ونازل!

بعثت کے بعد آپ مکہ میں ۱۲ سال قیام پذیر رہے، لیکن کبھی حرا کی زیارت کو نہیں گئے، اور نہ کوئی صحابی گئے، پھر ہجرت کے بعد آپ نے چار عمرے کئے، مگر غار حرا کی زیارت کو کبھی نہیں گئے، اور مقامات حج کے سوا کہیں نہ گئے۔

اسی طرح مکہ کے جو متبرک مقامات مشہور ہیں، ان کے بارے میں اعتقاد کی ضرورت ہے۔ حج کے سلسلے میں حجر اسود کے سوا خانہ کعبہ کے کسی جز کا بوسہ ثابت نہیں اور رکن یمانی کے سوا رکن شامی کا استلام بھی ثابت نہیں، یہاں

لے شاہ ولی اللہؒ نے بھی حج میں صرف رکن یمانی کا استلام لکھا ہے۔

(حجۃ اللہ البائنہ ۶/۲ رشیدیہ دہلی ۱۳۶۳ھ)

ایک دیکھ پ واقعہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ حج میں ایک ساتھ تھے، حضرت معاویہؓ نے چاروں ارکان کا استلام کیا جس پر حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ صرف رکن یمانی کا استلام جائز ہے، اس پر حضرت معاویہؓ بولے کہ بیت اللہ کی کوئی چیز چھوڑنے کی نہیں، اس پر حضرت ابن عباسؓ نے اسوہ رسولؐ کی اتباع والی آیت پڑھی جس کے بعد حضرت معاویہؓ نے ان سے اتفاق کیا، اسی طرح مقام ابراہیمؑ کا استلام و تقبیل جائز نہیں، بلکہ یہ عام حکم یاد رکھنا چاہیے کہ حجر اسود کے سوا تقبیل اور رکن یمانی کے سوا استلام کہیں جائز نہیں۔

اور جب مقام ابراہیمؑ کے بارے میں کوئی تعظیمی حکم نہیں تو قدم رسولؐ اور دوسرے مقامات کا حکم بھی اسی سے معلوم ہو جاتا ہے، مسجد حبرائے، مسجد غار المرسلات، مسجد الکلبش وغیرہ کی زیارت بھی غیر مشروع ہے۔

مسجد قبا کے بارے میں صحیحین میں ہے کہ آنحضرتؐ ہر شبہ کو پیدل یا سوار وہاں تشریف لاتے تھے، سنن میں حضرت اسید بن حضیرؓ سے روایت ہے کہ ”الصلاة فی مسجد قباء کحصة“ (مسجد قبا کی نماز عمرہ کے برابر ہے)۔ (ابن ماجہ و ترمذی)

لیکن اس کے لئے علمائے شذر حال سے منع کیا ہے۔ اس لئے کہ وہ صرف مساجد ثلثہ کے لئے ہے۔

فتح بیت المقدس کے موقع پر حضرت عمرؓ نے ”صخرہ“ کو بلے کے نیچے دبا پایا، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہودیوں کو اس کی طرف نماز پڑھتے دیکھ کر

عیسائیوں نے ان کی ضد میں اس پر کوڑا ڈالنا شروع کر دیا تھا، حضرت عمرؓ نے اپنے دامن میں اس کوڑے کو اٹھایا، اور مسلمانوں نے بھی ان کی تقلید کی پھر آپ نے بنطیوں کو اس کام پر لگا دیا اور وہ کوڑا بالآخر صاف ہو گیا، پھر آپ نے حضرت کعب الاحبارؓ سے مشورہ کیا کہ مسلمانوں کے لئے مسجد کہاں بناؤں؟ انھوں نے کہا صخرہ کے پیچھے حضرت عمرؓ خفا ہوئے اور فرمایا ”یا ابن الیہودیۃ خالطتک الیہودیۃ“ (یہ تمہارا یہود نوازانہ مشورہ ہے) اور پھر آپ نے صدر مقام پر مسجد بنائی، یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ حضرت عمرؓ نے نہ صخرہ کے پاس نماز پڑھی اور نہ اسے مس کیا اور نہ مسلمانوں نے ایسا کیا، بلکہ محراب داؤد کے پاس آپ سے نماز ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ بیت المقدس میں نماز تو پڑھتے تھے لیکن صخرہ اور دوسرے مقامات کے پاس نہیں جلتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، امام اوزاعیؒ، اور حضرت سفیان ثوریؒ کے متعلق بھی یہی آتا ہے، صخرہ کا قبہ عبدالملک بن مروان نے ایک سیاسی مقصد کے تحت بنایا تھا، حضرت ابن زبیرؓ جو مکہ میں مقیم تھے، اس لئے لوگوں کا ان کی طرف رجوع دیکھ کر عبدالملک نے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے صخرہ کو آلہ کار بنایا، اور لوگوں نے کعب الاحبارؓ وغیرہ سے اسرائیلی روایات بھی منسوب کرنا شروع کر دیں، جیسے کسی نے عبدالملک کی مجلس میں یہ روایت بیان کی کہ ”خدا نے صخرہ سے کہا ہے کہ تو میرا نچلا عرش ہے، اس پر عروہ بن زبیر نے

۱۸۳

جو وہاں موجود تھے کہا کہ خدا تو کہتا ہے کہ اس کی کرسی ارض و سموات کو محیط ہے اور تم یہ کہتے ہو؟ منجھو کی بس یہ حقیقت ہے کہ وہ یہود کا قبلہ مفسوخ ہے، صحابہ نہیں سے کسی سے اس کی کوئی تعظیم منقول نہیں، اکثر اسرائیلیات کعب الاحبار ہی سے مروی ہیں، جن کے بارے میں حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ کعب کی روایات میں ہمیں کبھی کذب کا بھی شبہ ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ محدثین تو ائمہ اعلام کی..... مراسیل بھی نہیں قبول کرتے تو کعب کی روایات جو ہزاروں سال پہلے سے متعلق ہوتی ہیں کیسے قبول کر لیتے ہیں۔

سوال و دعا صرف خدا سے

صحیح حدیث میں ان لوگوں کی صفت بیان ہوئی ہے جو بغیر حساب جنت میں جائیں گے:

ہم الذین لا یسترقون
ولا یکتوون ولا یتطیرون
وعلی ربہم یتوکلون۔
یہ وہ لوگ ہوں گے جو کسی سے... تعویذ
بھی نہ مانگتے ہوں گے اور نہ بدن پر درغ
لگاتے ہیں اور نہ فال نکلاتے ہیں بلکہ

اپنے خدا پر بھروسہ کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے حضور رسالتؐ نے فرمایا: اذا سألت
فاَسأل الله واذا استعنت فاستعن بالله (جب مانگو تو خدا سے

۱۸۴

انگو اور جب مدد چاہو تو خدا سے چاہو۔

شرک سے توحید کو اتنی پڑھئے کہ شرک کا شبہ پیدا کرنے والے الفاظ سے روک دیا گیا:

حضور نے فرمایا:

لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ مَا شَاءَ اللَّهُ
وَمَا شَاءَ مُحَمَّدٌ بَلْ مَا شَاءَ اللَّهُ ،
كُلُّ يَوْمٍ كَيْسٌ لَهُ جَوْدًا يَأْتِيهِ
وَمَا شَاءَ مُحَمَّدٌ -
چاہتے ہیں۔

کسی نے حضور کی خدمت میں عرض کیا "جو خدا اور آپ چاہیں" اس پر
حضور نے اسے تنبیہ کی کہ اَجْعَلْتَنِي جِلَّةً نِدَاءُ قُلِّ مَا شَاءَ اللَّهُ وَحْدَهُ
(کیا تم مجھے خدا کا شریک بنا رہے ہو؟ یوں کہہ دو کہ صرف وہ جو خدا چاہے)۔

بدعت مشابہت سے پرہیز دین کا تقاضا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ
عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ
رَبِّهِ أَحَدًا۔ (۱۱: ۱۸)
جو اپنے رب سے ملنا چاہتا ہے وہ نیک
عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں
کسی کو شریک نہ بنائے۔

حضرت عمرؓ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے:

اللهم اجعل عملي كله صالحاً
اے اللہ میرا ہر عمل نیک بنا، اور اسے

وَجَعَلَهُ لَوِجًا خَالِصًا
 وَلَا تَجْعَلْ لَاحِدًا فِيهِ شَيْئًا۔
 اپنے ہی لئے بنا اور کسی دوسرے کا
 اس میں کچھ نہ رکھ۔
 فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ جب تک کوئی عمل خالص خدا کے لئے
 اور سنت کے مطابق نہ ہو وہ مقبول نہیں۔

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ لفظ "اسلام" سپردگی اور خالص اطاعت
 و انقیاد کے معنوں میں آتا ہے، جیسے فرمایا گیا:
 صَوَّبَ احْلَتَ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ
 مَثَلًا لِكُفُوٍّ وَرَجُلًا سَلِمًا لِرَجُلٍ۔
 اللہ مثال دیتا ہے کہ ایک وہ غلام ہے
 جس میں کئی شریک ہیں، اور ایک وہ
 خالص ایک کا ہے۔ (۲۹:۳۹)

یہاں "سلمان" کو خالص کے معنی میں استعمال کیا گیا، اسی کے مقابل "استنبار"
 آتا ہے، جس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ "جس کے دل میں کبر کا ایک ذرہ
 بھی ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا لوگوں نے عرض کیا حضور! آدمی چاہتا
 ہے کہ اس کے کپڑے اور اس کے جوتے اچھے ہوں کیا یہ بھی کبر ہے؟ فرمایا
 نہیں! اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے کبر تو حق سے روگردانی اور
 لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے، قال لا۔ ان اللہ جمیل یحب الجمال الکبر
 بطر الحق و غمط الناس؟

یہود کو قرآن نے کبر کی اسی صفت سے موصوف کیا ہے، اور نصاریٰ کو

لے حدیث میں کبر کی جو تعریف آئی ہے اور قرآن نے انہیں جس طرح متکبر کہا ہے (باقی صفحہ ۱۸۶)

شُرک سے متصف ثابت کیا ہے، یہود کے لئے کہا گیا:

أَفَكُمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْتَدُونَ
أَفَأَنْتُمْ أَنْتُمْ سُلَيْمٌ (۲: ۸۷) مرنی کے خلاف کوئی حکم لایا تو تم نے
تکبر نہیں کیا؟

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ ”اسلام“ ہر نبی کا دین رہا ہے اس لئے کہ سب
میں توحید و رسالت، ایمان و یقین، قیامت و آخرت، حشر و نشر، جزا و سزا کا
عقیدہ مشترک رہا ہے، اسی لئے حضور نے فرمایا: اِنَّا مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ دِينًا وَاحِدًا
(ہم تمام انبیاء کا دین ایک ہی ہے)۔ کہیں فرمایا: الْأَنْبِيَاءُ اخْوَةٌ لِعَلَاتٍ
(تمام انبیاء باپ شریک بھائی ہیں) ایک جگہ ارشاد ہوا: اِنَّ اَوَّلِي النَّاسِ
بِابْنِ مَرْيَمَ لَا نَافِلِسَ بَنِي وَبَنِي نَبِيٍّ (ابن مریم سے میں سب سے زیادہ
قریب ہوں کہ میرے ان کے درمیان کوئی دوسرا نبی نہیں) شیخ فرماتے ہیں کہ
دین کی بنیاد پر کبھی اختلاف نہیں ہو سکتا، بلکہ اختلاف تو بدعتوں اور بتوں
سے شروع ہوتا ہے اسی لئے بے دین گروہوں کے قبلہ مقصود جدا جدا
ہیں اور ان میں کوئی نقطہ اشتراک اور رشتہ اتصال نہیں:

وَلَا يَرْثُ الْوَنُّ مَنَّا لَيْفِيْنَ لَا مَنَّا
دَجَمَرُ رَبِّكَ - (۱۱: ۱۱۸) یہ لوگ ہمیشہ جھگڑتے رہیں گے، سوال ان کے
جن پر خدا کا رحم و کرم ہے۔

(باقی صفحہ ۱۸۷) اسے آج بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ کس طرح یہود اپنے مذہب، اپنی نسل، کو تمام دنیا سے
بتر سبھتے اور اپنی قوم کو خدا کی مخلوق سمجھ کر دوسروں سے نفرت کرتے ہیں۔ (مرتب)

خدا کے بارے میں انبیاء اور فلاسفہ کا طرز تصور

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء ہمیشہ خدا کی ذات و صفات کے اثبات پر زور دیتے تھے اور ان کے استدلال کا پہلو مثبت ہوتا تھا، اس لئے کہ وہ حقیقی علم رکھتے تھے، اور حقیقت کا ادراک ان کو مشاہدہ کی حد تک تھا، لیکن اس کے برخلاف فلاسفہ منفی طرز استدلال اپناتے ہیں اور صفات باری کی نفی و تنزیہ میں اتنی دور جا نکلتے ہیں کہ اثبات کی منزل گم ہو جاتی ہے، اور اثبات ذات کے لئے اتنا ہی کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ وہ ایک وجود مطلق ہے، بشرط نفی یا بشرط الاطلاق، اور منطق یونانی میں طے ہے کہ مطلق بشرط الاطلاق خارج میں موجود نہیں ہو سکتا، جیسے حیوان مطلق کا وجود خارج میں نہیں، اور نہ انسان مطلق کا وجود ہے، اس لئے کہ خارج میں معین و مشخص کا ہی وجود ہو سکتا ہے، قرآن انبیاء کی طرز پر زور دیتا ہے:

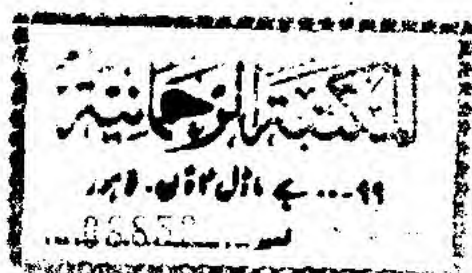
مُبْتَعَانِ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا
يَصِفُونَ۔ (۱۸۰: ۳۷) بہت بلند ہے۔

انبیاء کا طرز اثبات مفصل اور نفی مجمل ہے، یعنی خدا کی ذات و صفات کا تفصیلی بیان لیکن نفی صفات میں اجمال و اختصار! قرآن میں جگہ جگہ خدا کے صفات کا بیان ہوا، لیکن نفی کے متعلق چند ہی آیتیں ہیں اور ان میں بھی عموم و اجمال ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ (۱۱۱: ۳۲) اس جیسا کوئی نہیں۔

۱۸۸

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ لُفُوًّا أَحَدٌ
 اِس کا کوئی شریک نہیں۔
 هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا؟ (۶۵:۱۹)
 کیا آپ اِس کا کوئی ہم نام بھی بتا سکتے ہیں؟
 فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اُنْدَادًا (۲۲:۲)
 خدا کا شریک نہ بناؤ۔



www.KitaboSunnat.com

لہ ہندوستان کے فلسفہ میں بھی جو نئی نئی کی نکرا رہے، اس سے بھی شیخ الاسلامؒ کی رائے کا تاثر
 ہوتا ہے، مولانا آزاد مرحوم نے ترجمان القرآن میں اس پر بڑی اچھی بحث کی ہے۔ (مرتب)